تحقیق کے نام پر حدیث کا انکار

حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر

کے بارے میں

گمراہ کن مضمون کا جائزہ

فضل الرحمٰن بن محمد الازہری

تحقیق کے نام پر حدیث کا انکار

حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر

کے بارے میں گمراہ کن مضمون کا جائزہ

مؤلف

مولانا فضل الرحمٰن بن محمد الازہری

ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ، ایم اے اسلامیات، شریعہ کورس الازہر القاہرۃ

ناشر

جامع مسجد محمدی اہلحدیث، سنت نگر، لاہور

کتاب کا نام

حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر

کے بارے میں گمراہ کن مضمون کا جائزہ

مصنف

فضل الرحمٰن بن محمد الازہری

ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ ایم اے اسلامیات، شریعہ کورس الازہر القاہرۃ

تعداد 1100

پہلا ایڈیشن .... اکتوبر 2010ء

دوسرا ایڈیشن .... فروری 2018ء

ناشر .... اُنیب الرحمٰن

قیمت .... 50 روپے

طابع .... زاہد بشیر پریس

ملنے کا پتہ

۱) نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 042-37321865 موبائل: 0344-42229127

۲) مکتبہ قدوسیہ، رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، فون: 042-37351124,37230585

۳) دارالسلام، 36 لوئر مال سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 042-3720024,37111023,37232400

۴) مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ بالمقابل رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37244973

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقتِ تحقیق

بڑے بڑے قومی اخبار والوں کی عموماً پالیسی ہوتی ہے کہ قوم کے کسی طبقے کو ناراض نہ کیا جائے۔ تاکہ ان کا اخبار عوام الناس میں مقبول رہے۔ دینی مضامین کی اشاعت اگرچہ ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ لیکن دینی مباحث سے اجتناب کو ترجیح دی جاتی ہے۔ 16 جولائی 2010ء کے نوائے وقت کے ملی ایڈیشن میں ریٹائرڈ بریگیڈیئر حامد سعید اختر کا حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر کے بارے میں طویل گمراہ کن مضمون شائع ہوا۔ تو راقم نے تحقیقی مقالہ کی صورت میں اس کا جواب لکھا جسے خود محترم مجید نظامی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ کرکٹ کے میچ فکسنگ پر نظم بھی تھی۔ نظم تو اگلے ہی روز شائع ہو گئی لیکن حق سچ کو واضح کرنے والا مقالہ نظر انداز کر دیا گیا۔ بریگیڈیئر صاحب کو جب ان کی دلی تحقیق کا جواب نوائے وقت کے ذریعے نہ ملا تو انہوں نے چند ہفتوں کے اندر اپنے گمراہ کن مضمون کو کتابچے کی صورت میں چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں بھی اپنا مقالہ کتابچے کی صورت میں اہل علم تک پہنچاؤں۔ ایسے کرتے ہوئے میں نے اپنے نہ شائع ہونے والے جواب سے پہلے علم الحدیث کے بارے میں مختصر معلومات مہیا کر دی ہیں۔ تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے، یہ ایسا فن ہے کہ جس میں ائمہ حدیث نے وہ کردار ادا کیا کہ جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بریگیڈیئر صاحب کسی اہل علم کی لائبریری میں جا کر فن الرجال پر لکھی گئی کتابوں کی زیارت کریں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ ان کے

لکھنے والے عظیم لوگ تھے۔ ان کو ہزاروں راویوں کے حالات حفظ تھے۔ سندوں اور متنوں کے وہ حافظ تھے۔ آج دنیا میں کتنے اہل علم ہیں جن کو مسند احمد حفظ ہے۔ سندوں اور متون کو چھوڑ دیں۔ صحاح ستہ میں مروی روایات کو تکرار کے بغیر جمع کیا جائے تو ان کی تعداد دس بارہ ہزار کے قریب بنتی ہے۔ ان کے حفاظ کو تلاش کیا جائے تو بہت مشکل پیش آئے گی۔ لہٰذا ان حفاظ کی جمع کردہ احادیث کو ظنّی کہنا سراسر ظلم ہے۔

صدیقۂ کائنات

آج کوئی دماغ کی بجائے دل کو تحقیق میں استعمال کرتے ہوئے ان عظیم ہستیوں پر جرح کرے اور خود اقرار بھی کرے کہ وہ اس میدان کا آدمی نہیں اور نہ اس میں اس کی صلاحیت ہے۔ پھر بھی اس نے ایک مضمون لکھ دیا۔ بلکہ فتنہ انکار حدیث کو بھڑکانے کے لیے حبیب الرحمان کاندھلوی کے وہی چوبیس نکات نقل کر دیے جو ''صراط مستقیم'' نامی کراچی کے ایک رسالے میں قسط وار چھپتے رہے اور صدیقۂ کائنات کے صفحات 84 سے لے کر 96 تک میں مذکور ہیں۔ میرے پاس جو کتاب ہے اس کی پرنٹ لائن میں کتاب کا نام، مؤلف کا نام اور صفحات کی تعداد 268 تو منقول ہے لیکن طابع اور ناشر کا نام موجود نہیں۔

کشف الغمۃ

بریگیڈیئر صاحب نے حکیم نیاز احمد کی کشف الغمۃ عن عمر ام امۃ کا حوالہ تو دیا ہے لیکن شاید انہوں نے یہ کتاب دیکھی نہیں۔ یہ کتاب 596 صفحات پر مشتمل ہے اور مشکور اکیڈمی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ حکیم صاحب سرگودھا میں رہائش پذیر تھے۔

کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں انہوں نے حسب ذیل چھ ماخذ پر مفصل بحث کی ہے جو حضرت عائشہؓ صدیقہ کی رخصتی کے وقت کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں:

۱-روایت تزوّج　۲-لعب بالبنات　۳-حبشیوں کا کھیل

۴-غناء جواری فاقدرواقدر الجاریۃ　۵-روایت افک میں انا جاریۃ

۶-حدیث خواب نکاح

دوسرے حصے میں حکیم نیاز احمد صاحب نے ان 16 قرائن کا ذکر کیا ہے جو حضرت عائشہؓ کے نکاح کے وقت سنِ رُشد کو ظاہر کرتے ہیں۔

یوں حکیم نیاز احمد صاحب نے اپنی عمر عزیز کے تقریباً کئی سال حضرت عائشہؓ کی نکاح کے وقت عمر 17 یا 28 سال اور رخصتی کے وقت 19 یا 29 سال ثابت کرنے میں صرف کر دیے۔ حالانکہ صفحہ 9 میں ان کا اپنا کہنا ہے: ''صحابہؓ کی عمروں کا معلوم کرنا واجبات دین سے نہیں ہے، نہ معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں۔'' پھر بھی انہوں نے اس کو اہم مسئلہ بنا کر کئی سال اس میں غرق کر دیے۔ اپنی کتاب کے دیباچہ میں صفحہ 10 میں اس کی تفصیل یوں بیان کی: 1963ء میں مواد جمع کرنا شروع کیا جس میں مسلسل دو سال لگ گئے۔

صفحہ 11 میں ان کی تحریر ہے۔ میں جتنا مواد اکٹھا کرتا تھا اس کو اپنے عزیز وساتھی مولانا حافظ الیف اللہ عثمانی صاحب کے سامنے رکھتا تھا۔ ہم دونوں اس کو ترتیب دیتے تھے۔ میں لکھتا تھا پھر مولانا موصوف اصلاح کرتے تھے۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

صفحہ 12 کی عبارت ہے: علمی مواد جو ہم نے اکٹھا کیا بہت زیادہ تھا مگر تہذیب و ترتیب کے وقت آٹھ سو صفحے رہ گیا۔ اس میں سے دو سو صفحے جو روایات افک پر لکھے گئے تھے کم کر دیے گئے اسے علیحدہ کتاب کی صورت میں حضرت عائشہؓ اور افک کے عنوان

سے بعد میں شائع کروں گا۔

یہ مسودہ ہمارے فاضل دوست مولانا عظمت اللہ صاحب نے دو تین سال محنت کر کے کتاب کی شکل میں لکھا۔ مضامین کے لحاظ سے عنوانات قائم کئے اور ان کی فہرست بنائی۔ 1972ء میں وہ اس سے فارغ ہوئے۔ اب یہ کتاب تین آدمیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اسی صفحہ میں حکیم صاحب نے یہ بھی لکھا: روایت پرکھنے کا راستہ بھی خود ہی پیدا کیا، منقول ذخائر میں اس کے لیے مواد بہت کم ملا۔

اس ''راستے'' کی وضاحت صفحہ 11 پر یوں کی:

اگر کوئی روایت کردار صحابہؓ کو داغدار کرے تو وہ قابل ردّ ہے۔ ہمارے نزدیک راوی کا بیان غلط ہے۔ کیونکہ اصل میں صحابی اور راوی کا تقابل ہے۔ ہم صحابی کو محفوظ قرار دیں گے۔ کیونکہ دین کی بنیاد صحابہ پر ہے اور راوی کو مجروح قرار دیں گے۔ صحابہؓ کے متعلق رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ نص قرآنی ہے۔ راوی کے صدق کی کوئی سند ہمارے پاس نہیں۔

اس قاعدے کی روشنی میں ہم نے روایت کو پرکھنے کے چند مزید ضابطے بنائے ہیں:

۱- جو روایت تباغض صحابہؓ کے مضمون پر مشتمل ہو ہم قرآن کی روشنی میں قبول نہیں کریں گے۔

۲- جو روایت نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کو بے اثر یا محدود اثر کو ظاہر کرے وہ بھی محل تامل ہوگی۔

۳- آپ کی تعلیم و تربیت کے باوجود صحابہؓ میں جاہلی اثرات کو ظاہر کرنے والی روایت کو ہم قبول نہیں کریں گے۔

۴- جو روایت صحابہؓ کے کردار کو ناہموار ظاہر کرے وہ قابل ترک ہے۔

۵- جو روایت صحابہؓ کی تنقیص یا مخصوص ناقص کردار کو ظاہر کرے قابل رد ہے۔

رواۃ کی تحقیق عام طور سے احکام کی وجہ سے ہوتی ہے مگر ہم نے رواۃ کو سیرت کے درجے کی روایات میں بھی تحقیق کرنا ضروری خیال کیا ہے۔ سہل انگاری کی وجہ سے بہت کچھ رطب و یابس سیرت اور تاریخی روایات میں پایا جاتا ہے۔ اسے ہم نے مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں رد کر دیا ہے۔ تاریخ اور سیر کی جو روایات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں ہم نے ان کے اوپر بھی نقد کیا ہے اور خیال نہیں کیا رواۃ صحاح ستہ پر بحث مناسب نہیں ہے۔ جب ان روایات کی تنقیح نہیں ہوئی تو ہمیں حق ہے ان روایات اور ان رواۃ پر بحث کریں۔ یہ رجال سند روایات معصوم و محفوظ نہیں ہیں۔

کتاب کے آغاز 'تقریب الکتاب' میں حکیم صاحب نے لکھا:

مختلف صحابہؓ نے مختلف اوقات میں بعض مسائل آپ ﷺ سے دریافت کیے۔ آپ نے جو جوابات دیئے ان پر صحابہؓ نے عمل کیا اور انہیں یاد رکھا اور آئندہ ضرورت مندوں کی راہنمائی کی۔ آپ کے احوال کو صحابہ نے حرز جان بنایا اور ان کو ذریعہ سعادت و نجات خیال کیا۔

صحابہؓ کے دور ہی میں تابعین نے آپ کے اقوال کو کوشش سے جمع کیا اور ان کو قلم بند کر لینا ضروری سمجھا۔ صحابہؓ غزوات کی وجہ سے اور ملکی انتظام و انصرام کی وجہ سے متفرق ممالک محروسہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ طلاب علم نے سفر کر کے ان صحابہؓ سے ان علوم کو حاصل کیا جو ان کے سینوں میں محفوظ تھے۔ پھر ان اقوال رسول اللہ ﷺ پر ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھی۔ شروع میں تو قال رسول اللہ ﷺ

کہہ دینا کافی تھا مگر جب فتنے شروع ہو گئے، طبیعتوں میں زیغ آ گیا، کھرے اور کھوٹے میں تمیز مشکل ہو گئی تو ضرورت پیش آئی کہ روایت کو قبول کرنے کے لیے کچھ اصول اور ضابطے بنائے جائیں۔ روایت کو قبول کرنے کے ضابطے بنائے گئے۔ ان ضابطوں سے علم اصول حدیث مرتب ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے جو اقوال و اعمال ہم تک پہنچے ہیں سب سے پہلے انہیں قبول کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے صحابہؓ ہیں۔ صحابہؓ کے متعلق تمام اہل علم نے بطور کلیہ مسلمہ مان لیا ہے۔ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ اس لیے صحابہؓ پر جرح و تعدیل کے قواعد جاری نہیں ہوتے۔ مگر حکیم صاحب نے اس کے مطابق عمل نہیں کیا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی روایت پر انہوں نے جرح کی ہے۔ صفحہ 5 میں حکیم صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا:

میں واشگاف طور پر واضح کر دوں کہ میں قرآن کے ساتھ سنت رسول ﷺ کو ضروری خیال کرتا ہوں۔ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (جو رسول ﷺ دیں وہ لے لو) نص صریح ہے۔ تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ (تم میں دو نفیس چیزیں میں نے چھوڑی ہیں۔ وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے)۔ سنت کے بغیر قرآن معمہ ہے۔ سنت و حدیث کے بغیر نہ قرآن سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہر کتاب کے ساتھ نبی ضرور آیا۔ بلکہ نبی پہلے بھیجا جاتا تھا، کتاب بعد میں اتاری جاتی تھی۔ اس لیے میں نے اس روایت تزوج پر اصول حدیث کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ ہشام بن عروۃ سے سہو ہوا ہے۔

چونکہ حکیم صاحب کی یہ کتاب حضرت عائشہؓ کے نکاح اور ان کی رخصتی کے وقت

چھوٹی عمر کی نفی کرنے اور ان کے اس وقت بالغہ ہونے کو ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ لہٰذا اس میں چھوٹی عمر والی روایات میں سے ایک روایت کے راوی ھشام بن عروۃ پر بحث ''تقریب الکتاب'' میں بھی کی ہے۔

صفحہ 13 میں ان کا کہنا ہے:

اس کتاب میں ھشام بن عروہ پر رجال کے نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ نیز ان کے ایک تلمیذ علی بن مسہر کوفی پر بحث کی ہے۔ باقی رواۃ پر ضمناً بحث کی ہے۔ جو کچھ لکھا رجال کی کتابوں سے لکھا ہے۔ حوالہ لکھا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ حوالے ساتھ لکھتا رہا۔ مگر مسودات کے بار بار نقل کرنے کی وجہ سے بعض بعض جگہ حوالہ نقل نہیں ہوا۔ اب ہمت نہیں رہی کتابوں کو جمع کر کے دوبارہ حوالوں کی تصدیق کروں۔ جو کچھ پہلے کر لیا۔ اسی پر اکتفا کیا۔ اب یہ کام کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ کئی سال سے ہاتھ میں رعشہ ہے۔ تحریر میں دقت ہوتی ہے۔

حکیم صاحب کی تحقیق بھی اپنے ذہن اور اپنے رجحان کے مطابق تھی۔ ھشام بن عروہ المتوفی 146ھ کی روایت کو اصل بنا لیا اور ان سے پہلے پیدا اور فوت ہونے والوں کو ان کے تابع کر دیا۔ الاسود المتوفی 75ھ، ابوعبیدہ المتوفی 83ھ اور ابوسلمۃ المتوفی 94 یا 104ھ نے عائشہؓ سے بلاواسطہ روایت کی ہے۔ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن المتوفی 98 یا 103 یا 106ھ عائشہ کی گود میں پروان چڑھیں۔ ان کو حکیم صاحب نے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ ھشام کے بارے میں امام الذھبیؒ کے تعریفی کلمات کو بھی ٹھکرا دیا۔ ہم نے ان کا ذکر بریگیڈیئر صاحب کے مضمون کے جواب میں کیا ہے۔

صفحہ 8 میں کتاب لکھنے کی وجہ حکیم صاحب نے یوں بیان کی ہے:

اس روایت تزوّج پر طویل و عمیق تحقیق کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ طالب

علمی ہی کے زمانے سے مجھے یہ عجیب معلوم ہوتا تھا کہ نو سال کی بچی جس میں ازدواجی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ کیسے ازدواجی عمل برداشت کر سکتی ہے۔ میں لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ کر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتا تھا اور سوچتا تھا۔ جب تمام حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے اور متداول کتب تاریخ نے اس کو بیان کیا ہے تو بلوغ قبل از وقت کی تاویل کر کے ذہن کو مطمئن کر لیتا تھا۔ ایک روز قرآن شریف تلاوت کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو۔ پوری آیت پڑھ کر ذہن میں آیا: کیا احترام رسول ﷺ کا یہ حکم رفع صوت تک محدود ہے۔ ذہن نے جواب دیا: نہیں ہرگز نہیں یہ تو اقل قلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو احترام کی انتہا کے مستحق ہیں۔ نادانستہ کوتاہی بھی حبط اعمال کا سبب ہو سکتی ہے۔ آپ کے اقوال و افعال بنی نوع انسان کے اقوال و افعال سے بہتر ہیں۔ آپ کی ذات تو مکارم اخلاق ہے اور مکارم افعال کا منبع ہے۔ آپ مثالی کردار کا کامل نمونہ ہیں۔ قرآن شریف میں آپ کی ذات کو اسوۃ حسنہ فرمایا گیا ہے۔ آپ کا ہر عمل بلا چون و چرا لائق اتباع ہے۔ بناء صغیرہ میں فطری طور سے ایسا استکراہ ہے کہ فطرت سلیمہ اس سے اباء کرتی ہے۔ ہرگز نبی کریم ﷺ کے پاکیزہ اور لطیف اعمال میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہے۔ ایسے فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا موہم استخفاف شان رسول ﷺ ہے۔ (اعاذنا اللہ) نادانستہ حبط اعمال کا سبب ہے۔ ہم احترام و عظمت رسول ﷺ کے مکلف ہیں۔ یہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ نص قطعی سے ثابت ہے۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ دل کی گہرائیوں سے لے کر ظاہری اعمال تک احترام و عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کرے۔ یہ

روایت منافی احترام ہے۔ استخفاف رسول ﷺ پر حبط اعمال کی وعید نص قطعی ہے۔ یہ روایت ایک تاریخی بیان ہے۔ جو خبر واحد ہے۔ نص بہر حال نص ہے، اس کا اتباع واجب ہے۔ صحابہؓ کی عمروں کو معلوم کرنا واجبات دین سے نہیں ہے۔ نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ انداز روایت ذوق لطیف پر بار ہے۔ ہر بالغ جانتا ہے کہ توالد و تناسل کیا ہے۔ لیکن انسان اپنی ماں کے زفاف اور زہ کے واقعے کو بے تکلف بیان نہیں کرتا۔ اگر کبھی طبی ضرورت کے پیش نظر بیان کرے گا تو اشارۃً ذکر کرے گا اور اسے ذکر کرتے ہوئے ناگواری محسوس کرے گا۔ (ائمہ حدیث حکیم صاحب سے بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و احترام کو سمجھنے والے تھے۔ اگر عائشہؓ سے کم عمری میں نکاح اس کے منافی ہوتا تو وہ اس کا ذکر کبھی نہ کرتے۔)

ان رواۃ نے بناء صغیرہ اور حضرت عائشہ ؓ کو لازم و ملزوم بنا دیا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ ام المومنین ہیں۔ ان کے متعلق کچھ کہتے ہوئے ان کے مقام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لطف یہ ہے تمام ازواج مطہرات میں سے بلکہ تمام صحابیات میں سے کسی کے متعلق ایسا بیان نہیں ملتا۔ واقعہ کی یہ صورت معجزہ بھی نہیں کہی جا سکتی۔ معجزہ اسے کہتے ہیں۔ دوسرے لوگ جسے کرنے سے عاجز ہوں۔ بناء صغیرہ کو کسی نے معجزات میں شمار نہیں کیا اور یہ عمل مقام نبوت سے کم تر فعل ہے۔ جو لوگ لطافت مزاج نبوت کا شعور رکھتے ہیں وہ اسے معجزہ شمار نہیں کر سکتے البتہ بلید الذہن لوگوں کے لیے راستہ صاف ہے۔ ہم اس زمانے میں دیکھتے ہیں۔ معاشرے کے بگڑے افراد چھوٹی بچیوں کو ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، پکڑے جائیں تو سزا پاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر اس روایت تزوج کو پرکھا گیا ہے۔ ہمارے علماء مدارس

احکام کی روایت پر بحث کرتے ہیں اور اپنا مسلک ثابت کرنے کے لیے رجال سند سے لے کر متون روایات کے لفظ لفظ پر بحث کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ غیر منقح روایات پر ہم بحث نہ کریں۔ جبکہ ان تاریخی روایات میں وہ زہر بھرا ہوا ہے کہ صحابہؓ کے متوازن اور پختہ کردار کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ دین کے بنیادی اصول کردار صحابہؓ کو بے وقعت اور بے حیثیت بنا کر پیش کیا ہے۔ (یہ بھی حکیم صاحب کی اپنی اختراع ہے)۔

تاریخی روایت اگر صحاح میں موجود ہیں تو اس سے ان کی ماہیت نہیں بدل گئی۔ البتہ بعض فنکار لوگوں نے دانستہ ان تاریخی روایات میں زہر بھرا ہے اور بعض سادہ لوح رواۃ نے نادانستہ ان روایات کو قبول بھی کیا ہے اور ان کی اشاعت بھی کی ہے۔ بہرحال یہ مسموم روایات حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ کتنے ہی خلوص اور نیک نیتی سے ہم ان کا ذکر کریں اور بے حد خلوص سے ہم ان کے صحیح ہونے کا یقین کریں مگر ان کی ماہیت میں جو زہر ہے وہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے۔

(صحاح کتب کو نشانہ بنانے کا حکیم صاحب یوں جواز بناتے ہیں)۔

مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو روایات ان کتابوں میں مذکور ہیں وہ خلاف واقعہ ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سن نبوت میں عاقلہ بالغہ تھیں، لیکن ان روایات مذکورہ کتب سے حضرت عائشہؓ کا جو تشخص ابھرتا ہے، ایک بچی کا تصور ذہن میں آتا ہے جو کھلنڈری گڑیوں اور کھیلوں کی دلدادہ ضدی مزاج نابالغہ لڑکی کا تصور سامنے آتا ہے۔ ان روایات کے زہر نے قاری کے ذہن کو مسموم کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ واقعہ میں سن رشد کو پہنچی ہوئی بالغۃ الذہن، نابغۃ الزمن، عبقری الفطرت ذکیہ عورت تھیں۔ امہات المومنین میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ ان کی خوبیوں کی وجہ

سے نبی کریم ﷺ کی ان پر خاص توجہ تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمہ صفت موصوف تھیں۔ مگر ہمارے رواۃ کا ذہن مسموم ہو گیا تھا، ان رواۃ کے ذہن پر تطفل اور تلعب طاری ہو گیا تھا۔ میں نے مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھ کر بہت سی غیر تاریخی روایات پر بحث کی ہے اور رجال کی تصریح کی روشنی میں ان کا مقام متعین کیا ہے۔ جن روایات میں متضاد مضمون پائے جاتے ہیں، وہاں میں نے وہ روایات تلاش کی ہیں جن میں متضاد مضمون نہیں پایا جاتا اور ایسی روایات میں ادراج کو ظاہر کیا ہے۔ اگر ہو سکا مدرج کو بھی متعین کیا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ روایات میں تلفیق کی گئی ہے۔ یعنی دو روایتیں تھیں پھر ان کو جمع کر کے ایک سند سے بیان کرنا شروع کر دیا گیا۔ غرض یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی جن رواۃ نے بلطائف انجیل کی ہے ان رواۃ پر ہم نے کھل کر بحث کی ہے۔ اب تک علماء نقد نے نقد کو نرم رکھا تھا، ہم نے اصول نقد کو سختی سے برتا ہے اور کھل کر جرح کی ہے۔ (مذکورہ عبارت میں جذباتی رنگ بھی شامل کر دیا ہے۔)

صفحہ 12 میں اپنی بحث و تحقیق کا نچوڑ حکیم نیاز احمد صاحب نے یوں بیان کیا:

ہم دو آدمی چار سال میں معلوم کر سکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت ہمارے حساب سے 28 سال تھی اور رخصتی کے وقت 29 سال تھی۔ حسب بیان کتب رجال 17 سال اور رخصتی کے وقت 19 سال تھی۔ (یہ دو آدمیوں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔)

حکیم نیاز احمد کی تحقیق کی حقیقت

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نکاح اور رخصتی کے وقت ان کی عمر کے بارے میں

تحقیق کرنے والوں نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس کی وجہ بیان کی ہے۔ آج کل نوائے وقت میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے گستاخانہ خاکوں کی مسلسل مذمت ہو رہی ہے تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریٹائرڈ بریگیڈیئر سعید اختر نے بھی فتنہ انکار حدیث کو طاغوتی اشارے پر پھر سے زندہ کر کے امت محمدیہ میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ انہوں نے اپنے دل کی آواز سنی اور دماغ کو استعمال نہ کیا۔ لہٰذا ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوگا۔

حکیم نیاز احمد جو پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کے بہترین کئی سال اس بے کار مقصد کے حصول میں لگا دیے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ میں رعشہ ہو گیا۔ انہوں نے ائمہ حدیث و تاریخ کی اس حدیث کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر ان سب کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اس متفق علیہ حدیث سے اختلاف کیا ہو یا حکیم صاحب کے قرائن سے اتفاق کرتا ہو۔

حکیم صاحب نے اپنی کتاب میں جن چھ ماخذ میں بیان ہونے والی احادیث کو نقل کر کے ان کے راویوں پر مفصل بلکہ ان کے الفاظ میں کھل کر بحث کی ہے اور ان کی پرکھ کے لیے ائمہ حدیث و رجال نے قائم کردہ اصول پرکھ کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے بنائے ہوئے اصول کے تحت سختی سے جرح کی۔ ان چھ ماخذ کے بارے میں ان کا اپنا بیان ہے۔ وہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں مروی روایات کے صحیح ہونے پر ائمہ حدیث و تاریخ کا اجماع تھا۔ کسی محدث و مورخ نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ مگر حکیم صاحب نے اس اجماع کو ٹھکراتے ہوئے اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے اپنی عمر کے کئی

سال 404 صفحات لکھنے میں ضائع کر دیے۔ وہ مسئلہ جو امت میں کبھی کوئی مسئلہ نہ تھا اور نہ ہے اس کو متنازع بنانے کی کوشش کی اور گمراہی کی راہ اپنانے کا رجحان رکھنے والوں کے لیے مواد مہیا کر دیا۔ جب اجماع کے خلاف کوئی تاریخی یا غیر تاریخی روایت نہ مل سکی تو 16 قرائن کا سہارا لے لیا اور مزید 192 صفحات تحریر کر دیے۔ ساری کتاب میں غلط مفروضے قائم کر کے قیاس و گمان اور امکانات کے ذریعے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس عمل میں کھل کر احادیث اور ائمہ احادیث کی خوب تحقیر و تنقیص کی ہے۔ عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے احادیث کی اہمیت کا اعتراف بھی کیا ہے مگر حقیقت میں ان کا انکار کر کے ان کی نفی کی ہے۔ تکرار اور الجھاؤ سے کتاب کا حجم بڑھایا گیا ہے۔

حکیم صاحب نے اپنے قیاس اور قرائن سے پہلے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عائشہؓ اور اسماءؓ دونوں بہنیں ہم عمر تھیں۔ مگر خلاصہ بحث حصہ دوم ص 125 میں انہوں نے خود ہی لکھا ہے: چونکہ ہمارے اس قیاس کے لیے ان قرائن کے سوا جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کسی مؤرخ اور کسی راوی کا کوئی تحریری بیان نہیں ملتا اس لیے اس کے واقعیت پر ہم زور نہیں دے سکتے۔ صفحہ 182 میں ان کا اعتراف ہے: باوجود تجسس و تلاش کے حضرت اسماءؓ کے حضرت زبیرؓ سے نکاح کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے باوجود انہوں نے قیاس کو جاری رکھا۔ ساری کتاب میں ان کا ایسا ہی قیاس غالب دکھائی دیتا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بعض لوگ تو احادیث کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو دو سو سال بعد لکھا گیا۔ جو ان کی کم فہمی اور کم علمی کا نتیجہ ہے اور حکیم نیاز احمد جیسے لوگ بھی ہیں جو ائمہ حدیث و رجال کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے موقف میں ان کی تحقیق کو استعمال بھی کرتے ہیں مگر ساتھ دھوکا دہی سے ان کی کتابوں کو تسلیم بھی نہیں

کرتے۔ چونکہ راقم کا مقصود حکیم نیاز احمد کی کتاب کا جواب لکھنا نہیں ہے بلکہ ثابت یہ کرنا ہے کہ حکیم نیاز احمد کے بعد جس نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں جولکھا اس کا ماخذ حکیم صاحب کی کتاب کشف الغمه عن عمر ام امة ہی ہے۔

ریٹائرڈ بریگیڈیئر سعید اختر صاحب کے مضمون اور ان کے کتابچہ کا حقیقی ماخذ بھی مذکور کتاب ہی ہے۔ چونکہ وہ علم الحدیث سے ناواقف ہیں اس لیے احادیث کے بارے میں ان کے اشکال اور ان کے جواب ان کی اپنی عقل سلیم کے تابع ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے عائشہؓ سے مروی احادیث کی تعداد کے بارے میں اپنی ناقص معلومات کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ عائشہؓ سے سننے والوں نے جو احادیث بیان کیں اور حفاظ احادیث تک جتنی جتنی پہنچیں انہوں نے ان کو اپنی اپنی کتاب کا حصہ بنا لیا۔ بعد والوں نے جب ان کو شمار کیا تو ان کی تعداد دو ہزار سے اوپر بن گئی۔ ایسے ہی دوسرے راویوں کی بیان کردہ احادیث کو جمع کر کے ان کی تعداد کا تعین ہوا۔ رہی بات صحیح اور غیر صحیح میں فرق کرنے کی تو ائمہ رجال نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اسلام کے دوسرے ماخذ کو ظنی کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنا یا ختم کرنا ہی فتنہ انکار احادیث ہے۔ مورس بوکیلی نے اپنی کتاب The Bible The Quran and Science میں احادیث کے بارے میں یہی تصور دیا ہے۔ جس کو عام کرنے کی کوشش کا آغاز ہو گیا ہے۔

بریگیڈیئر سعید اختر کے مضمون کے جواب میں لکھا گیا مقالہ اگر غور سے پڑھ لیا جائے تو کافی حد تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں لکھی گئی تمام کتابوں کا جواب بھی بن جاتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

طالب الخیر

فضل الرحمٰن بن محمد

علمِ حدیث کے بارے میں مختصر معلومات

اس مقالے میں چونکہ احادیث اور ان کی اسناد کے بارے میں بحث ہوگی۔ اس لیے ضروری ہے کہ قاری کو اتنی معلومات سے ضرور آگاہی ہونی چاہئے کہ جس سے بحث کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور وہ فیصلہ کر سکے کہ کون سی بات صحیح اور حق ہے۔

لغوی معنی

حدیث کی جمع احادیث ہے اور اس کا لغوی معنی کلام ہے۔ قرآن حکیم چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اللہ نے اس کو حدیث کہا ہے۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ(۲۳)﴾

اللہ نے بہترین حدیث کتاب کی صورت میں نازل فرمائی جو ملتی جلتی دوہرائی جاتی ہے۔ اس سے رونگٹے ان کے کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسموں کے چمڑے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی وہ ہدایت ہے کہ جس کو چاہتا ہے اس ہدایت سے نواز دیتا ہے اور جس کو وہ (اس کے برے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

سورۃ المرسلات کی آخری آیت ہے:

﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (۵۰)﴾

پس وہ اس حدیث کے بعد کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو قرآن سنایا کرتے تو وہ کہا کرتے کہ یہ خود بنا کر لے آتا ہے، اس پر اللہ کی طرف سے کچھ نازل نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ الطور میں ان کے بارے میں فرمایا:

﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ (۳۴)﴾

ان کو چاہئے کہ اس کی مثل وہ بھی کوئی حدیث بنا لائیں اگر وہ سچے ہیں۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (۸۷)﴾

اور بات کرنے میں اللہ سے زیادہ سچا کون ہوگا۔

اصطلاحی معنی

لیکن اصلاحی طور پر سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کے لیے حدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وصحابیات رضی اللہ عنہن نے آپ سے جو کچھ سنا، یا آپ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کو آگے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ آپ ہی کا حکم تھا، جس پر صحابہ نے دیانت وامانت سے عمل کیا۔

صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء کے باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ سے جو سنو اس کو آگے پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو۔ بنی اسرائیل کے حوالے سے کچھ بیان کرنا پڑے تو

کرو، لیکن جس نے عمداً مجھ سے جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

عربی کے الفاظ ہیں: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ علم حدیث کا یہ جوہر ہے۔ علم حدیث ایک ایسا بے مثال علمی فن ہے کہ جو اسلام کی حقانیت کا بہترین ثبوت ہے۔ صحابہؓ وصحابیاتؓ نے آپ سے جو کچھ سنا، اس کو نہ صرف اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا بلکہ لاکھوں شاگردوں میں اس کو پھیلا دیا۔ پھر ان کے شاگردوں نے یاد کرنے کے ساتھ اپنے پاس لکھ کر محفوظ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس طریقہ کا آغاز حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک ہی میں کر دیا تھا۔ سنن ابو داؤد کتاب العلم باب کتابۃ العلم (ص513) اور مسند احمد (ج2 ص162-192) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا، یاد کرنے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔ کبھی غصے میں بات کرتے ہیں اور کبھی رضامندی میں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا، لیکن میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم لکھتے جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں جو بات بھی کہتا ہوں وہ حق ہی ہوتی ہے۔

اس کی تائید اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں خود فرمائی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (۴)﴾

اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ وہی کہتے ہیں جو ان پر وحی کیا جاتا ہے۔

اُسد الغابۃ (ج ص246)، الاصابۃ (الجزء الرابع ص112)، الاستیعاب (ج1 ص) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی مجھ

سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے والا نہیں تھا۔ کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

طبقات ابن سعد (ج 4، ص 262) کے مطابق عبداللہ بن عمرو ؓ اپنے لکھے ہوئے صحیفے کو الصادقة کہا کرتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔

قرآن حکیم کا جمع کیا جانا

قرآن حکیم جب نازل ہوتا تھا تو رسول اللہ ﷺ صحابہ کو یاد کراتے اور لکھوا لیتے تھے۔ یوں آپ کی زندگی مبارک میں ہی ہزاروں صحابہ ؓ نے قرآن حفظ کر لیا تھا اور مختلف صحابہ ؓ کے پاس تحریر شدہ صحیفے بھی موجود تھے۔ لیکن کتابی یا مجموعہ کی صورت میں کسی کے پاس نہ تھا۔ قرآن حکیم کے جمع ہونے کا عظیم کام حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت میں ہوا۔

صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن (ص 745) میں زید بن ثابت ؓ سے مروی ہے جنگ یمامہ کے بعد ابوبکر ؓ نے مجھے بلایا۔ میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا عمر بن الخطاب ان کے پاس موجود ہیں۔ ابوبکر ؓ نے کہا: عمر ؓ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا: یمامہ کے دن لڑائی نے ایسی شدت اختیار کی کہ قرآن کے بہت سے قراء شہید ہوگئے، مجھے ڈر ہے اگر دوسری جگہوں میں بھی اسی طرح قرآن کے قراء شہید ہوتے رہے تو قرآن کا اکثر حصہ گم ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے عمر ؓ سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو کام نہ کیا وہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ عمر ؓ نے قسم کھا کر کہا: یہ کارِ خیر ہے، وہ برابر مجھے آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کارِ خیر کے لیے میرا سینہ کھول دیا

یعنی قرآن جمع کرنے کی حکمت میری سمجھ میں آگئی اور عمر کی رائے ہی میری رائے بن گئی۔

ابوبکر ؓ نے کہا: تم نوجوان عقلمند انسان ہو اور ہم تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتے اور تم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا جن جن کے پاس لکھا ہوا یا جن کے سینوں میں محفوظ ہے، ان کے پاس جاؤ اور قرآن حکیم کو ایک مجموعے کی صورت میں جمع کر دو۔

زید ؓ بن ثابت کا بیان ہے: اللہ کی قسم، اگر وہ میرے ذمہ یہ فریضہ لگا دیتے کہ ایک پہاڑ کو کاٹ کر اس کو دوسری جگہ منتقل کر دو تو وہ کام مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا قرآن جمع کرنے والا حکم تھا۔ چنانچہ میں نے کہا: آپ وہ کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا لیکن ابوبکر ؓ مجھے سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور قرآن جمع کرنے کی حکمت میری سمجھ میں آگئی اور میں ابوبکر ؓ کی رائے سے متفق ہو گیا۔ پھر میں نے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا۔ کسی سے مجھے کھجور کی ٹہنیوں پر اور کسی سے پتھر کی باریک سلیٹوں پر لکھا ہوا ملا اور لوگوں کے سینوں میں سے بھی جمع شدہ مل گیا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات مجھے خُزیمہ انصاری سے ملیں، جو ان کے علاوہ کسی اور کے پاس موجود نہ تھیں۔

وہ جمع شدہ صحیفہ ابوبکر ؓ کے پاس رہا۔ جب اللہ نے ان کو فوت کر دیا تو وہ عمر ؓ کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد وہ صحیفہ ان کی بیٹی ام المومنین حفصہ ؓ کے پاس آگیا۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحابہ ؓ کو یاد یا ان کے پاس لکھی ہوتی تھیں اسی طرح قرآن حکیم بھی مختلف سورتوں اور آیات کی صورتوں میں صحابہ ؓ کے پاس ہی موجود تھا۔ یعنی صحابہ ؓ جس طرح احادیث کے

راوی ہیں اسی طرح قرآن حکیم کے بھی راوی ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے انہی سے قرآن کو جمع کیا تھا۔ اگر احادیث کے بارے میں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا تو قرآن بھی مشکوک ہو جائے گا۔

احادیث کی جمع وتدوین

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن حکیم کی حفاظت پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ جس طرح یہود ونصاریٰ نے آسمانی صحیفوں میں بگاڑ پیدا کر دیا تھا ویسا ہی قرآن کے بارے میں بھی معاملہ نہ ہو جائے، لیکن جب قرآن حکیم کی حفاظت کا مناسب بندوبست ہو گیا تو احادیث جمع کرنے والوں کو بھی اجازت مل گئی۔ جیسا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کا لکھا اور جمع کردہ صحیفہ الصادقہ آج بھی مسند احمد میں ویسے ہی موجود ہے۔

ان میں سمرہؓ بن جندب (المتوفی 60ھ)، جابرؓ بن عبداللہؓ (المتوفی 78ھ)، حضرت علیؓ (المتوفی 40ھ)، عبداللہؓ بن عباسؓ (المتوفی 101ھ)، ان کے شاگرد سعدؓ بن جبیر (المتوفی 95ھ) بھی تھے ابوھریرہ کا صحیفہ برائے ھمام بن منبہ (المتوفی 101ھ)، خیال رہے حضرت ابوھریرہؓ 58ھ میں فوت ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیفہ مذکورہ ان کی وفات سے پہلے لکھوایا گیا۔

جب قرآن حکیم کتابی صورت اختیار کر گیا اور بے شمار حفاظ وقراء کے سینوں میں محفوظ ہو گیا تو اہل علم نے تدوین حدیث کی طرف توجہ مبذول کی اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے علمائے اسلام کو اس کی دعوت دی تو امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری (المتوفی 124ھ) نے حدیث کی ایک کتاب مرتب کی۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔

امام مالکؒ بن انس 93ھ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں رب حقیقی سے جا ملے۔ لیکن مؤطا کے نام سے حدیث کی ایسی کتاب لکھ دی کہ خلیفہ منصور نے جبراً لوگوں سے اس کے مطابق عمل کرانا چاہا لیکن امام مالکؒ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد بڑی بڑی کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔

حدیث کی چند قسمیں

علم حدیث ایسا فن ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کی پرکھ کے قاعدے اور قوانین مرتب کر دیئے تھے کہ حدیث اس وقت قابل قبول ہو گی جب حدیث کا متن یعنی اصل عبارت اور اس کا مضمون شک وشبہ سے بالا ہو اور اس حدیث کو بیان کرنے والے عادل، عاقل، صحیح العقیدہ مسلم، امانت ودیانت کا خیال رکھنے والے، قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے والے، مضبوط حافظے والے ہوں اور ان کی طرف کبھی جھوٹ بولنے کی نسبت بھی نہ ہوئی ہو، یعنی ہمیشہ سچ کہنے والے ہوں۔ محدثین کے قائم کردہ معیار کے مطابق جب بھی کوئی بیان ہونے والی حدیث پوری نہ ہوتی تو اس کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

علم حدیث بہت وسیع فن ہے۔ احادیث کی کئی قسمیں اور کئی اصطلاحات ہیں لیکن اس کتاب میں چند ضروری قسموں کا ذکر کرنا ہی مناسب ہوگا۔

1- صحیح حدیث سے مراد وہ حدیث ہے کہ جس کا متن یعنی مضمون قرآن وسنت کے مطابق ہو اور اس کو بیان کرنے والے سب راوی نیک صالح سچے ہوں۔ ان میں سے کسی پر ائمہ حدیث نے کوئی جرح نہ کی ہو۔ سند بھی متصل ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہ ہو۔

2- ضعیف حدیث سے مراد وہ حدیث ہے کہ جس کے بیان کرنے والوں میں سے کسی ایک یا زیادہ پر ائمہ حدیث نے جرح کی ہو یا اس کی سند میں انقطاع ہو یعنی کوئی راوی غائب ہو یا کسی راوی کا پورا حال معلوم نہ ہو یا جھوٹا ہونے کا اس پر اتہام ہو، ایسی حدیث آئمہ حدیث کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔

3- موضوع یا گھڑی ہوئی حدیث: ظاہر ہے کہ ایسی حدیث صریحاً جھوٹ ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے عمداً جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

4- چوتھی حدیث وہ ہے کہ جو متن اور سند کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن کسی راوی کے حافظے کی کمزوری عیاں ہو، تو ایسی حدیث کو حسن کہا جاتا ہے۔ جو صحیح سے کمتر اور ضعیف سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ صحیح کی غیر موجودگی میں قابل قبول ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں مرجوح ہوگی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ

ہمارے ہاں بہت سے پڑھے لکھے لوگ حدیث کے فن سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے احادیث کے بارے میں شک وشبہ کا شکار رہتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ آئمہ حدیث نے کس طرح سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کو ضعیف و موضوع اور غیر ثابت شدہ روایات و حکایات سے الگ کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کیے۔ دن رات انتہائی محنت و مشقت کے ساتھ کتابوں میں جمع کیا۔ احادیث کے مقبول اور غیر مقبول راویوں کے حالات زندگی الگ الگ کتابوں میں محفوظ کر دیئے تاکہ قیامت تک صحیح اور غیر صحیح حدیث میں فرق کرنے میں آسانی رہے۔

جن جلیل القدر ائمہ نے اس عظیم کارِ مقدس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی

تھیں ان میں سب سے ممتاز امام بخاری کا نام ہے۔ 194ھ میں پیدا ہوئے۔ سمرقند کے ایک چھوٹے قریہ فرتنگ میں 256ھ یکم شوال یعنی چاند رات میں دین کی خدمت میں زندگی گزارنے کے بعد اپنے رب کے پاس چلے گئے اور عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال حافظہ سے نواز رکھا تھا۔ ہزار سے اوپر اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ 20 سے زائد کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ صحیح بخاری ایسی حدیث کی کتاب لکھ دی کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب امام بخاری کی صحیح بخاری ہے۔ کیونکہ امام کا حدیث نقل کرنے کا معیار بہت سخت تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنے والوں کے درمیان ان کے نزدیک سماع ہی کافی نہیں تھا بلکہ ہر دو کے درمیان ملاقات کا ہونا بھی شرط تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ امام بخاری ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو نفل پڑھتے تھے یعنی اللہ سے اس کے صحیح ہونے کا مشورہ کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کو کتب احادیث میں جو اونچا مقام حاصل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کو صحیح اور غیر صحیح میں اللہ نے فرق کرنے کی قدرت عطا کردی تھی۔

تدریب الراوی (ج1 ص 293) میں حدیث مقلوب کے حوالے سے منقول ہے:

امام بخاری بغداد آئے تو وہاں اصحاب حدیث نے ایک سو احادیث ۔لے کر ان کے متنوں اور سندوں کو آپس میں خلط ملط کر کے دس آدمیوں میں بانٹ دیا۔ پھر انہوں نے امام بخاری سے ایک مجلس کے انعقاد کا ایک وقت مقررہ پر وعدہ لے لیا۔ اہل علم کے علاوہ بغداد کے بہت سے لوگ بھی مجلس میں شریک ہوئے۔

امام بخاری جب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو ان دس آدمیوں میں سے ایک کھڑا ہوا، اور خلط ملط یعنی مقلوب روایات ان کو سنا دیں۔ امام صاحب نے کہا: میں ان روایات کو نہیں جانتا۔

دوسرے نے جب روایات سنائیں تو امام صاحب نے وہی بات کہی۔ میں ان کو نہیں جانتا۔ جب دس آدمی ایک سو روایات سنا چکے تو امام صاحب نے پہلے آدمی سے کہا: تم نے مجھے جو روایات سنائی ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے بیان کی ہیں بلکہ ان کی سندیں اور ان کے متن اس طرح ہیں۔

پھر دوسرے، تیسرے بلکہ بقیہ نو آدمیوں کی روایات درست کر کے امام صاحب نے سنا دیں۔ اہل بغداد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ اور حفظ حدیث پر بہت متعجب ہوئے۔

مذکورہ واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ سمرقند میں بھی امام بخاری کو پیش آیا تھا۔ ملا علی القاری الحنفی (المتوفی 1014ھ) نے اس کو مشکوۃ کی شرح مِرقاۃ (ج1، ص14) میں نقل کیا ہے:

سمرقند میں چار سو محدث نو دن جمع ہو کر شامی اور عراقی احادیث کی اسناد و متون کو آگے پیچھے کرتے رہے تا کہ امام بخاری کو مغالطے میں ڈالیں۔ لیکن وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر غالب نہ آ سکے۔ ملا علی قاری نے یہاں بڑے اعلیٰ نکتے کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے حیرت اس بات پر نہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو حدیثیں سند و متن کے ساتھ سنا دیں بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خلط ملط کی گئی روایات کو اسی طرح دوہرا دیا جس طرح ان کو سنائی گئی تھیں یعنی ایک ہی مرتبہ سننے سے انہوں نے یاد کر لیں اور سب کے سامنے سنا دیا۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی زیادہ تر کتابیں فن حدیث ہی پر ہیں اور انہوں نے صحیح بخاری کی 97 کتابوں میں 3350 ابواب قائم کر کے 7563 احادیث نقل کی ہیں جو تکرار کے بغیر چار ہزار رہ جاتی ہیں۔

امام ابوالحسن مسلم رحمۃ اللہ علیہ بن حجاجؒ

206ھ میں خراسان کے شہر نیشا پور میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے کئی سفر کئے اور وقت کے بڑے بڑے اماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام بخاری جب نیشا پور آئے تو ان کی مجالس میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ بلکہ ایک موقع پر امام بخاری کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اپنا پاؤں چومنے کی اجازت دیں۔ فن حدیث پر انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ (امام نووی کا مقدمہ صحیح مسلم پر ص 12)

صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم کی شرائط زیادہ سخت نہ تھیں۔ ان کے باوجود صحاح ستہ میں عموماً اس کو بخاری کے بعد دوسرا مقام دیا جاتا ہے۔ اس میں مروی روایات کی تعداد تقریباً 5800 ہے۔ جلیل القدر امام مسلم نے 50 سال کی عمر میں 261ھ کے رجب کے مہینے میں نیشا پور میں وفات پائی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ

202ھ میں خراسان کے مشہور علاقہ سجستان میں پیدا ہوئے۔ ازد قبیلے سے ان کا تعلق تھا جس کی وجہ سے ان کو ازدی بھی کہا جاتا تھا۔ اس زمانے کے معمول کے مطابق انہوں نے بھی علم کی خاطر کئی سفر کئے۔ ان کے اساتذہ کی تعداد تین سو کے قریب تھی اس وقت کے بلند پایہ محدثین وفقہاء امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل، امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ راہویہ، امام یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ بن معین، ہشام بن رحمۃ اللہ علیہ عبدالملک طیالسی، ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ بن ابی شیبہ اور عثمان رحمۃ اللہ علیہ بن ابی شیبہ جیسے ائمہ کی شاگردی میں رہنے کا ان کو موقع ملا۔

حفظ وضبط اور نقابت وعدالت کی طرح جرح وتعدیل کے فن میں بھی ان کا بلند

مقام تھا۔ صحیح وسقیم، قوی وضعیف، مشہور ومنکر اور حسن وشاذ جیسی روایات کو پرکھنے کا ان کو ملکہ حاصل تھا۔

275ھ میں كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ والا قانون ان پر جاری ہوا۔ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے 20 کے قریب اہم کتابیں لکھ دیں جن میں سنن ابی داؤد صحاح ستہ میں شامل ہے اور اس کی 40 کتابوں کے 1811 باب بنا کر 5374 احادیث لکھی گئی ہیں۔

امام ابوداؤد نے اس کی ترتیب وتالیف کا کام 241ھ سے پہلے بغداد میں انجام دیا تھا۔ چار ہزار کے قریب احادیث احکام ومسائل کے متعلق ہیں۔

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیبؒ النسائی

صحاح ستہ کے مصنفین ومؤلفین میں شامل ہونے والے امام النسائی خراسان کے مشہور شہر نساء میں 214یا215ھ میں پیدا ہوئے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایة والنہایہ (ج 11 ص 123) میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے دور دراز شہروں کے سفر کیے۔ سماع حدیث اور اس فن کے ان ماہر ائمہ اور کبار مشائخ سے ملاقاتیں کرنے میں مشغول رہے کہ جن سے بالمشافہ انہوں نے روایت کی ہیں۔

حافظ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا تھا کہ حدیث روایت کرنے کی شرط امام مسلم سے زیادہ سخت ان کی تھی۔ امام الدارقطنی کا بیان ہے کہ امام نسائی اپنے دور کے تمام علمائے حدیث سے زیادہ افضل وبرتر تھے۔

حدیثوں کی پرکھ کے فن جرح وتعدیل میں بھی اللہ نے ان کو خاص مقام پر فائز

کر رکھا تھا۔ احادیث کے سقم وصحت اور رجال کی معرفت میں سب سے آگے تھے۔ صبر و رضا، ضبط وتحمل اور شجاعت وبہادری جیسی صفات سے بھی آراستہ تھے۔ طبیعت میں ایسی بے نیازی تھی کہ کبھی عزتِ نفس کا سودا نہ کیا۔ امیر مصر کے ساتھ جہاد میں شریک رہے لیکن اس کی مجلس کی ہم نشینی سے دور رہے۔ ان کے علم وفضل کی بنا پر ان کو حمص کا قاضی بھی مقرر کیا گیا۔ 303ھ میں وفات پا گئے۔ آپ نے احادیث کے راویوں کی پرکھ کے فن پر بڑی اہم کتابیں لکھیں۔ سنن النسائی کی 51 کتابوں کے 2526 ابواب میں 5761 احادیث مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ محمد الترمذیؒ

امام موصوف 209ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید علم کی طلب میں اس وقت کے مشہور ائمہ حدیث وفقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حجاز، عراق، خراسان، ماوراء النہر، شام، مصر مغرب وغیرہ میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم ہو چکے تھے۔ قرآن وحدیث کے علم کے حصول کا ذوق شوق اپنے عروج پر تھا۔ امام ترمذی نے بھی ہر مرکز اور ہر ماہر فن سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ اسی لیے ان کی جامع الترمذی فن تفسیر، احادیث اور فقاہت کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتی ہے۔

تذکرة الحفاظ (ج 2 ص 130 رقم 658) میں امام الذہبی نے عمر بن علک کے حوالے سے امام الحاکم سے نقل کیا ہے، امام بخاری فوت ہو گئے لیکن علم وحفظ اور ورع و زہد کے اعتبار سے خراسان میں ابوعیسیٰ ترمذی کی مثل کوئی نہیں چھوڑا۔

خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی لیکن اللہ نے دل کی آنکھیں روشن کر دیں۔

امام ترمذی کے زمانے میں ائمہ اربعہ کا چرچا ہو چکا تھا لہٰذا مختلف مسائل کا ذکر کرتے ہوئے وہ ائمہ کے حوالے بھی دیتے ہیں۔

ترمذ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں 279ھ میں وفات پائی۔ ان کی جامع کی 46 کتابوں کے 2117 ابواب میں 3956 احادیث جمع کردی گئی ہیں۔

امام ترمذی، حکیم ترمذی اور ترمذی کبیر میں فرق

امام ابوعیسیٰ ترمذی کے علاوہ نوادرالاصول فی معرفۃ احادیث الرسول کے مؤلف ابوعبداللہ محمد الحکیم کا تعلق بھی ترمذ سے تھا اور وہ حکیم ترمذی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی کتاب میں بہت سی احادیث غیر معتبر، ضعیف اور کئی موضوع ہیں۔ کتاب میں الاصل کے نام پر 291 ابواب قائم کئے گئے ہیں اور صفحات کی تعداد 432 ہے۔ نوادرالاصول کے حواشی پر مشتمل 142 صفحات کی کتاب مرقاۃ الوصول ساتھ لگا دی گئی ہے۔

ضعیف اور مرفوع روایات کا سہارا لینے والے ایسے بھی ہیں جو روایت تو نوادرالاصول کی نقل کرتے ہیں لیکن تاثر یہ دیتے ہیں کہ اس کے راوی امام ابوعیسیٰ جامع الترمذی والے ہیں۔ نوادرالاصول میں منقول تمام احادیث بغیر اسناد کے ہیں۔ صرف پہلے راوی کا نام دیا جاتا ہے جس سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ صحابی کی روایت ہے اور شک وشبہ سے بالا ہے۔ جبکہ امام ابوعیسیٰ الترمذی نہ صرف سند نقل کرتے ہیں بلکہ اس کے راویوں کے بارے میں جرح وتعدیل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فیصلہ بھی دیتے ہیں۔ سند میں کمزوری ہو تو اس کو بھی واضح کرتے ہیں۔

ایک اور بزرگ ابوالحسن ترمذی تھے جن کا ذکر امام الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ

(ج2، ص536، رقم 553) میں الترمذی الکبیر کے عنوان سے کیا ہے۔ وہ العلل والرجال اور الفقہ میں مہارت رکھنے والے تھے۔ امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں سے تھے۔ امام بخاری، امام ابوعیسیٰ ترمذی، امام ابن خزیمہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ 240ھ کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

امام ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ

یہ بلند پایہ امام 209ھ میں قزوین میں پیدا ہوئے جو علماء ومحدثین کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ دین کے جتنے علوم کی تحصیل وہاں ممکن تھی، جب کر چکے تو مزید علم کی تلاش وجستجو نے وطن سے باہر نکل کر ان مراکز کی طرف رخ کرا دیا جو خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، بصرہ، مکہ اور رے وغیرہ میں قائم ہو چکے تھے۔ جہاں درس وتدریس کا معیار اپنے عروج پر تھا۔ چونکہ اللہ نے زبردست حافظے سے نواز رکھا تھا اس لیے حدیث کے فن کی طرف ان کا زیادہ میلان تھا۔

امام الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو عظیم الشان حافظہ وضابطہ، صادق القول اور وسیع العلم قرار دیا ہے۔ جبکہ علامہ ابن جوزی کے مطابق وہ حدیث وتاریخ اور تفسیر کے ممتاز ماہر تھے۔ علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ وہ فن حدیث کے امام اور اس کے متعلقات پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ 273ھ یا 275ھ میں رب حقیقی سے جا ملے۔

اپنی سنن ابن ماجہ کی 37 کتابوں کے 1513 ابواب میں انہوں نے 4341 احادیث کو جمع کیا ہے۔

امام ابومحمد عبداللہ عبدالرحمٰن الدارمیؒ

181ھ میں خراسان کے مشہور شہر سمرقند میں پیدا ہوئے۔ حدیث کی طلب وتکمیل

کے لیے تمام بڑے بڑے اسلامی تعلیمی مراکز کی طرف کئی سفر کیے۔

امام صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی نے اپنی کتاب خلاصة تهذيب لتهذيب الكمال (رقم 3618ج2ص74) میں امام الدارمی کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ کبار علماء میں سے ایک صاحب مسند، تفسیر اور جامع تھے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ اپنے زمانے کے امام تھے۔

ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ ان میں سے تھے جنھوں نے حفظ کیا اور حفظ شدہ جمع کیا۔ اس کو سمجھا اور لکھا، پھر بیان کیا۔ اپنے شہر میں سنت کو غالب کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ شکوک و اعتراضات کا جواب دیا۔ جھوٹ کی آمیزش سے پاک کر کے عوام وخواص کے دلوں میں اس کی اہمیت وعظمت کو اجاگر کیا۔

75 سال کی عمر میں اپنے ہی وطن سمرقند سے 8 ذوالحجہ 255ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جب ان کی وفات کی خبر ملی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور سر جھکا کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہا۔

سنن الدارمی کی 35 کتابوں کے 1364 ابواب میں 3456 احادیث جمع کی گئی ہیں۔

احادیث کی پرکھ اور اس کے لیے لکھی گئی کتابیں

احادیث کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہونے والوں کو معلوم ہی نہیں کہ ائمہ حدیث نے سیدالانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کو غیر صحیح اور من گھڑت احادیث و روایات اور حکایات سے کس طرح الگ کیا۔ ائمہ حدیث نے سالہا سال کی محنت ومشقت سے احادیث کے راویوں کے حالات جمع کیے۔ جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ پھر ان میں ان کی بیان کردہ احادیث کو کتابوں میں جمع کیا کہ جن کے بارے میں

ان کو یقین ہوگیا کہ ان میں جھوٹ یا کسی کمزوری کی کوئی آمیزش نہیں۔ ضعیف اور احادیث گھڑنے والوں کو الگ کتابوں میں جمع کردیا۔

مذکورہ جلیل القدر ائمہ کی کتابوں میں جمع کی گئی احادیث کی تعداد اس لیے لکھی گئی ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ ان میں تکرار کے بغیر مشترک اور غیر مشترک کو جمع کیا جائے تو دس بارہ ہزار بھی تعداد نہیں بنے گی۔ بخاری مسلم کی جن روایات پر دونوں کا اتفاق ہے ان کی تعداد 2326 ہے جبکہ دس سالہ اچھے حافظ قرآن بچے کو نماز تراویح پڑھانے کے لیے کھڑا کیا جائے تو قرآن حکیم کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات آسانی سے سنا دے گا۔

پاکستان میں اب بھی لاکھوں انسان ایسے ہوں گے جو پاکستان بننے کے حالات بیان کرسکتے ہیں۔ پاکستان کے بانی محمد علی جناح پر کتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اور اخبارات میں ہر سال ان کی پیدائش اور وفات کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جاتا ہے۔ گزرے ہوئے واقعات کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس سے تعلق رکھنے والے ان کو پیش آئے واقعات قطعی طور پر بھول چکے ہوں۔ جن واقعات کے وہ شاہد تھے اس کو وہ ضرور بیان کرسکتے ہیں۔

کسی بوڑھے کھلاڑی سے مل کر اس کے ماضی کے تجربات وواقعات کی بات کریں تو وہ سب کچھ بیان کرے گا کہ جیسے وہ ان کا مشاہدہ اب کر رہا ہے۔

بہت سے لوگ سفر پر جاتے ہیں اور واپس آکر سفرنامہ تحریر کرتے ہیں۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تحریر تو نہیں کرتے لیکن بہت سی باتیں ان کے ذہن ودماغ میں محفوظ ہوجاتی ہیں۔

علمی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے حافظے تو بہت تیز ہوتے ہیں۔ شعراء ہزاروں اشعار زبانی یاد کرلیتے ہیں۔ افسانہ نویسی سے تعلق رکھنے والے کتابوں کے ڈھیر لگا دیتے

ہیں۔لیکن جب احادیث کی بات ہوتی ہے تو اس کے بارے میں شیطانی وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ایسی شیطانی سوچ رکھنے والے بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک میں لکھنے کا رواج نہیں تھا۔صدیوں پرانی باتیں لوگوں کو ویسے ہی یاد تھیں، ان کو اپنے آباؤ اجداد کے نام اور خاندانی واقعات خوب یاد رکھنے کی عادت تھی۔

آج کے کسی نوجوان کو روک کر آپ اس سے اس کے دادا، پڑدادا، دادی، پڑدادی، نانا نانی، پڑنانا اور پڑنانی کے نام پوچھیں تو بہت کم نوجوان ہوں گے جن کو یہ نام یاد ہوں۔اس سے اوپر تو سوچا ہی نہیں جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی 23 سالہ زندگی کے شب و روز کا مشاہدہ کرنے والوں کے بارے میں یہ سوچنا کہ جو انہوں نے سنا اور دیکھا اس کو سچ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ بیچ میں عرصہ دراز حائل تھا۔یہ بات درست نہیں۔کیونکہ احادیث کے راویوں نے روایات کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔صحابہ رضی اللہ عنہم وصحابیات رضی اللہ عنہن نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو اور انہوں نے پھر اس سلسلے کو ائمہ حدیث کے حوالے کر دیا جنہوں نے احادیث کے پاک سلسلہ کی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے احتیاط کی وجہ

صحابہ کی عادت تھی کہ جن احادیث کے بارے میں شک ہو جاتا تو اس پر شہادت طلب کر لیا کرتے تھے۔

اس کی ابتدا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی سے ہو گئی تھی۔صحیح بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثاً (ص923) اور صحیح مسلم باب الاستیذال (ج2ص210) میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔میں انصار کی ایک

مجلس میں تھا کہ ابوموسیٰ خوفزدہ حالت میں وہاں آئے۔انہوں نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت کے لیے تین مرتبہ السلام علیکم کہا، جب مجھے اجازت نہ ملی تو میں واپس لوٹ آیا۔انہوں نے بعد میں مجھ سے پوچھا، حاضر ہونے سے تجھے کس بات نے روکا۔میں نے کہا: میں نے تین بار سلام کیا، جب اجازت نہ ملی تو میں واپس آ گیا۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین بار تمہارا کوئی سلام کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا جائے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو ضرور اس پر گواہی قائم کرنی ہوگی۔(مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے: اِلَّا اَوجَعْتُكَ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا) تم میں سے کوئی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا سنا ہو۔

ابی بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ وہی کھڑا ہوگا یعنی گواہی دے گا جو قوم میں سب سے چھوٹا ہے چونکہ میں ہی سب سے چھوٹا تھا، لہٰذا کھڑا ہوا اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر گواہی دے دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی فرمایا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا یہود و نصاریٰ نے جھوٹی روایت کو اپنے اپنے دین میں شامل کر لیا تھا۔لہٰذا آپ ﷺ نے واضح طور پر اعلان کر دیا: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ میں بنا لے۔

اس روایت کو امام ابن جوزی (المتوفی 597ھ) نے اپنی کتاب الموضوعات (ج1ص56 تا 92) میں 61 جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ان میں سے دس وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں جنت کی بشارت دی تھی۔ان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن بھی شامل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ایک ہی تھی لیکن سننے والوں کی تعداد 61 ہوگئی۔ پھر جب وہی ایک حدیث دوسرے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ذریعے علم حدیث کے طالبوں تک پہنچی ہوگی تو ہزاروں سننے والے اس کے راوی بن گئے۔

اس سے مسئلہ یہ بھی صاف ہوتا ہے کہ محدثین نے لاکھوں حدیثوں میں چند چند ہزار اپنی کتابوں میں جمع کیں۔ درحقیقت حدیثوں کے متن یا مضامین لاکھوں میں نہ تھے بلکہ سننے اور سنانے والے لاکھوں میں تھے۔ جن میں ثقہ، ضعیف اور ضعف کی کئی قسموں سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ محدثین نے راویوں کو دیکھا، احادیث کی سندوں کو پرکھا، تو ان میں سے ثقہ راویوں والی سندوں کو اپنی اپنی کتابوں کے لیے منتخب کرلیا۔

محدثین کا یہی کمال تھا کہ لاکھوں راویوں کے حالات ان کو حفظ تھے۔ امام احمد بن حنبل، امام الشافعی، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام الدارقطنی اور ابوعبداللہ الحاکم جیسے ائمہ نے ان کی بیان کردہ احادیث کو اپنی اپنی کتاب میں جمع کردیا۔ انسان ہونے کے ناتے جو کمی کوتاہی رہ گئی اللہ نے اس کو دور کرنے کے لیے ایسے ائمہ پیدا کئے جنہوں نے احادیث کی پرکھ کے لیے باقاعدہ اصول بنائے۔ ثقہ راویوں سے ضعیف ومتروک اور احادیث گھڑنے والوں کو الگ کتابوں میں جمع کردیا اور ان کی کمزوریاں تفصیل سے بیان کردیں۔

ضعفاء ومتروکین والی کتابیں

(1) امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر 8 مجلدات۔ (2) التاریخ الصغیر (3) حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (المتوفی 327ھ) کی الجرح والتعدیل 9 مجلدات (4) حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی (المتوفی 322ھ) 4 مجلدات (5) حافظ عبداللہ بن عدی الکامل (المتوفی 365ھ) کی الکامل فی ضعفاء الرجال 8

مجلدات (6) حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852ھ) کی تہذیب التہذیب 12 مجلدات (7) حافظ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ) کی کتاب الضعفاء والمتروکین 1 جلد (8) امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (المتوفی 748ھ) کی میزان الاعتدال 4 مجلدات (9) امام خطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) کی الکفایۃ 1 جلد (10) امام الرازی کی العلل 2 مجلدات (11) امام ابن صلاح (المتوفی 643ھ) کا مقدمہ 1 جلد (12) ملا قاری علی الحنفی (المتوفی 1014ھ) کی الموضوعات الکبری ج1 (13) امام ابوالفرج ابن الجوزی (المتوفی 597ھ) کی کتاب الموضوعات 3 مجلدات (14) علامہ محمد بن علی الشوکانی (المتوفی 1350ھ) کی الفوائد المجموعۃ 1 جلد (15) حافظ ابن حجر کی لسان المیزان (16) امام ابوالنعیم الاصبہانی (المتوفی 420ھ) کی کتاب الضعفاء (17) امام ابوالفضل محمد بن طاہر بن احمد (المتوفی 807ھ) کی تذکرۃ الموضوعات (18) امام ابوزرعۃ الرازی (المتوفی 264ھ) کی کتاب الضعفاء (19) علامہ السیوطی (المتوفی 911ھ) کی اللآلی، (20) امام ابن حبان (المتوفی 739ھ) کی کتاب المجروحین اور کتاب الثقات۔ مذکورہ کتابوں میں ان تمام ضعیف اور کذاب راویوں کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس تمام سوانحی سرمایے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ائمہ حدیث نے رسول اللہ ﷺ کی پاک احادیث کی حفاظت کس طرح کی، ساری امت جمع ہوکر ان کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔

جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے کا عجیب واقعہ

ہمیشہ سے بات چلی آرہی ہے کہ جھوٹ بولنے والا بڑا دلیر اور بے حیا ہوتا ہے۔ کوئی اس پر گرفت کرے تو اس کو جھٹلا دیتا ہے۔ جھوٹ بولنے پر لمحہ بھر کے لیے بھی

شرمسار نہیں ہوتا۔ جو اسے جھوٹا کہے الٹا اس کو ہی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات (ج 1 ص 46) اور ملا علی قاری حنفی نے الموضوعات (ص 54-53) میں نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل اور امام یحیی بن معین نے الرصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور اس نے کہا: ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کیا۔ دونوں نے کہا: ان سے عبدالرزاق اور اس سے معمر نے اور اس سے قتادہ نے اور اس سے انس رضی اللہ عنہ اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے لا الہ الا اللّٰہ کہا تو اللہ تعالیٰ ہر کلمہ سے ایک ایسا پرندہ پیدا کر دیتا ہے کہ جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے بیس صفحات کے برابر الفاظ اس قصہ کو مزین کرنے پر صرف کر دیئے۔

امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ امام احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین سے کہا: کیا آپ نے یہ حدیث اس سے بیان کی ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم میں نے آج ہی اسی وقت یہ حدیث سنی ہے۔

جب وہ قصہ گو اپنی تقریر سے فارغ ہوا اور عطیات دینے والوں کے عطیات وصول کر چکا تو امام یحییٰ بن معین نے اس کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید یہ بھی کچھ دے گا اس لیے آ گیا۔ یحییٰ بن معین نے اس سے پوچھا: یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی۔ کہنے لگا: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ اس نے یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کو پہلے دیکھا ہوا نہ تھا۔ ان کی شہرت کی بنا پر ان کا نام استعمال کر رہا تھا۔

یحییٰ بن معین نے کہا: میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ امام احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے یہ حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے نہیں سنی۔ اگر تو نے ضرور جھوٹ ہی بولنا ہے تو

ہماری بجائے کسی اور کا نام لیا کر۔

اس قصہ گو نے کہا: کیا تم ہی یحییٰ بن معین ہو، یحییٰ بن معین نے کہا: ہاں میں ہی یحییٰ بن معین ہوں۔ کہنے لگا: میں نے سنا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ وہ واقعی احمق ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں۔

قصہ گو نے کہا: کیا دنیا میں یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کے علاوہ کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں۔ میں نے سترہ یحییٰ بن معین اور سترہ احمد بن حنبل سے روایات لکھ رکھی ہیں۔

اس قصہ گو کی بات سن کر امام احمد بن حنبل نے اپنے کرتے کی آستین سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور یحییٰ بن معین نے کہا: اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور دونوں عظیم امام وہاں سے اٹھ گئے۔

امام ابن جوزی نے اس وقت کے کئی وضاعین کی نشاندہی کی ہے بلکہ ان میں سے ان بعض کا بھی ذکر کیا ہے جو بعد میں نادم ہو کر تائب ہو گئے۔

ج 1 ص 49 میں امام محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کے حوالے سے ایک وضاع کی توبہ کا قصہ بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک آدمی میرے آگے آگے کہہ رہا تھا: اے اللہ! مجھے بخش دے، میرا خیال ہے کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ میں نے اس شخص سے کہا: تیرے گناہ سے بڑا گناہ تو یہ ہے کہ تو اللہ سے مایوسی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس نے کہا: مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ جب میں نے اس کے گناہ کے جاننے پر اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے پچاس جھوٹی حدیثیں گھڑ کر بیان کیں جو لوگوں میں پھیل گئیں۔ اب میں ان کی نفی کرنے یا ان کو واپس لوٹانے پر قادر نہیں ہوں لہٰذا اللہ مجھے کیا بخشے گا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ حدیث کو احادیث گھڑنے والوں کے بارے میں پوری معلومات تھیں۔

جھوٹی روایت بیان کرنے کا گناہ

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ سے جھوٹی حدیث بیان کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (ابوداؤد الطیالسی ج2 کتاب الحدیث)

صحیح مسلم (ج1 ص6)، ترمذی: ابواب العلم (ج2ص106)، ابن ماجہ (مقدمہ ص 5)، مسند احمد(ج 1ص 113) مسند احمد (ج5ص14-20) میں علی رضی اللہ عنہ، سمرۃ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ حَدِیْثًا وَھُوَ یُرٰی اَنَّہٗ کِذْبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ۔ مسند احمد (ج1ص113) میں اَحَدُ کی بجائے اَکْذَبُ جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی اور اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہوگا۔ مسند احمد (ج1ص113) میں ''ایک'' کی بجائے ''جھوٹوں میں سے سب سے زیادہ جھوٹا ہوگا'' کا لفظ ہے۔

افسوس ہے کہ اس کے باوجود ضعیف و موضوع روایات کو نہ صرف بیان کیا جاتا ہے بلکہ ان کو بیان کرنے اور ان کو حسن و صحیح ثابت کرنے میں علم و تحقیق کی بجائے جذباتی وابستگی کا سہارا لیا جاتا ہے اور وہ بھی ہیں جو عقل سلیم کو معیار بنا کر صحیح احادیث کا انکار کرنے یا اُن کو مشکوک بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ جیسا کہ منکرین حدیث کا معمول ہے اور اس کی مثال ریٹائرڈ بریگیڈیئر سعید اختر کا مضمون ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں تحقیقی مقالہ

روزنامہ نوائے وقت (16 جولائی 2010ء) کے جمعہ میگزین میں بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر صاحب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے لکھا ہوا مضمون پڑھا۔ انہوں نے اپنی فوجی سوچ و فکر کے تحت جس طرح کھلے طور پر انتہائی بیدردی سے ائمۂ حدیث کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کو پامال کیا ہے اور جس انداز میں ان کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس سے گوروں کا وہ زمانہ یاد آ گیا جس میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کو فتح کرنے کے لیے پادریوں کی ایک فوج کو مصروف کر دیا تھا اور ساتھ ہی مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا بیج مسلمانوں کے چند ضمیر فروشوں کے ذریعے مسلمانوں کی وحدت میں بویا تھا۔

آج جبکہ اہل اسلام کو وحدت و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ ایسے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے مسئلے کو نمایاں کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بریگیڈیئر صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے جس تحقیق کی وادی پرخار میں انہوں نے قدم رکھا ہے اس کی حدود چار پانچ اردو انگریزی کی کتابوں تک محدود ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ علم الحدیث ایسا فن ہے کہ اس کی مثال دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اگر انہوں نے صحیح بخاری کسی محدث سے پڑھی ہوتی تو ان کو ترجمۃ الباب اور روایت کے تعلق کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی پھر صحیح بخاری پر وہ کبھی طعن نہ کرتے۔

مدلس اور موضوع (Fabricated) میں کیا فرق ہوتا ہے، ان کو اس کا بھی علم

نہیں۔ لہٰذا وہ کسی حدیث پر کیا تحقیق کریں گے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جو علم الحدیث پڑھنے پڑھانے میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں وہ محقق و مدقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ بڑے بڑے محدثین اپنی زبردست تحقیق کے بعد یہ جملہ ضرور لکھتے رہے ہیں:
واللہ اعلم بالصواب۔

تحقیق کی ضرورت کی وجہ اور اس کا جواب

بریگیڈیئر صاحب کو سارے پاکستان میں سے اس وقت حضرت عائشہ کی عمر کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ان کی صغر سنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی بنا پر آپ پر ناقابل بیان رکیک الزام لگائے جاتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے نئے سرے سے تحقیق کر کے حضرت عائشہ ؓ کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ شادی کے وقت ان کی عمر 17 سے 19 سال تھی۔ ان کا یہ وہم ہے کہ عائشہ صدیقہ ؓ کی عمر بڑھانے سے طاغوتی طاقتیں رکیک حملوں اور الزامات سے باز آجائیں گی۔ ایسا کبھی نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں خود ہی اعلان کر دیا اور خطاب سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذریعے امت محمدیہ سے ہے۔

﴿وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ (البقرۃ:۲/۱۲۰)

یہود و نصاریٰ اس وقت تک آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے کہ جب تک آپ ان کے طریقے کو اپنا نہیں لیتے۔ آپ کہہ دیں۔ بے شک حقیقی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اس کے بعد آپ نے اگر ان کی خواہشات

کی پیروی کی تو آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی والی و مددگار نہ ہوگا۔

سورۃ الاحزاب میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے:

﴿وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (۴۸)﴾

''آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کی پروا نہ کریں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ ہی کفایت کرنے والا وکیل ہے۔''

سورۃ التحریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قرآنی تعلیم کے مطابق عمل ہوتا رہا اہل اسلام مغلوب نہ ہوئے۔ جیسے ہی اہل اسلام نے قرآنی تعلیم سے منہ موڑ کر غیروں کی طرف دیکھا تو ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔ آج پھر سے ویسے ہی حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ طاغوت پاکستان میں اپنے پنجے گاڑ چکا ہے۔ قرآنی ہدایت کو اپنانے کی بجائے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو طاغوت کی رضا جوئی میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو بھی اسلام یا اسلامی تعلیم کے خلاف بولتا یا لکھتا ہے طاغوتی طاقتیں اس کو آنکھوں پر بٹھاتی ہیں۔ اس کی لکھی ہوئی تحریر کو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔

فتنہ وفساد کے ایسے دور میں اس مسئلے کو چھیڑنا یقینی طور پر اسلام دشمن قوتوں کے لیے تو باعث مسرت ہو سکتا ہے لیکن ہمارے لیے اس میں خیر کا کوئی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی صغرسنی کی شادی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ ان کے والدین کو اس میں کوئی قباحت نظر نہ آئی تو آج کسی کو کیسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خودساختہ تحقیق سے صدیوں سے ائمہ حدیث کے نزدیک طے شدہ حقیقت کو ٹھکرا دے اور امت میں انتشار کا سبب بنے۔

مضمون نگار کو شاید معلوم نہیں کہ ان جیسے کئی لوگوں نے پہلے بھی اس مسئلہ کو اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ احادیث کو پہلے مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنے دلائل کی بنیاد اٹھاتے ہیں۔ حق و سچ کو مسخ کرنے کے لیے اپنی غلط سوچ کو صحیح ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ صحیح اور غیر صحیح کی تمیز سے بالا ہو کر ضعیف و موضوع روایات کا سہارا لے کر اپنی تحقیق کے صحیح ترین ہونے پر نازاں ہوتے ہیں۔ حالانکہ عموماً ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر قرآن حکیم کی کسی آیت مبارکہ کو بغیر اعراب لکھا جائے تو اس کو صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ حوالے میں بھی ہیر پھیر ان کے ہاں معیوب نہیں ہوتا۔

قمری کیلنڈر

مضمون نگار کا کہنا ہے کہ عربوں میں قمری کیلنڈر رائج نہ تھا۔ ان کو معلوم نہیں کہ جس طرح اہل عرب کو علم الانساب میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اسی طرح قمری تیس راتوں کے الگ الگ نام بھی انہوں نے رکھے ہوئے تھے۔ پھر مہینے کی راتوں کو تین تین راتوں میں تقسیم کر کے ان کے بھی نام ان کے ہاں معروف تھے۔ اس کی پوری تفصیل نفیس

اکیڈیمی کی شائع کردہ کتاب تاریخ مسعودی کے باب 26 میں دیکھی جا سکتی ہے جو مروج الذهب و معادن الجواهر کا اردو ترجمہ ہے۔

اگر عربوں میں کوئی تاریخی کیلنڈر نہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا تعین عام الفیل کے بعد کیسے ہوا تھا۔ اس کے بعد والے تمام واقعات ہجرت تک تاریخ دانوں نے کیسے مقرر کیے تھے۔ اور عمروں کا تعین کیسے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیسے علم الانساب زبانی سینہ بسینہ چل رہا تھا۔ ویسے ہی کیلنڈر کا معاملہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں

حقائق کو مسخ کرنے والوں کا یہ بھی معمول رہا ہے کہ بات لمبی کی جائے اور اس میں ایسے الجھاؤ پیدا کئے جائیں کہ پڑھنے اور سننے والے تنگ آ جائیں۔ بات تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کی تھی لیکن بات فاطمہؓ اور علیؓ کی پیدائش سے اس لیے شروع کی کہ ان کی عمروں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اختلاف کو مزید اجاگر کرنے کے لیے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت عمر کا بھی حوالہ دے دیا۔ بریگیڈیئر صاحب نے زرقانی اور ابن ہشام کی السيرة النبوية کے حوالے نقل کرتے ہوئے اصل کتابیں اور مذکورہ عبارت دیکھی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کے زرقانی میں خدیجہؓ کی عمر کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت مروی نہیں۔ قسطلانی کے الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے نکاح کیا تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ زرقانی نے اس کی شرح میں لکھا: جیسے ابوسعید نے اس کو روایت کیا اور یعمری نے اسی پر اکتفا کیا۔ مغلطائی اور برھان نے اس کو مقدم کیا اور صحیح کہا۔ یہ بھی کہا گیا ہے ان کی عمر پینتالیس سال تھی، یہ بھی کہا گیا ہے تیس سال تھی، یہ بھی کہا گیا ہے اٹھائیس سال تھی۔ اس کو مغلطائی اور

دوسروں نے بیان کیا۔ (المواهب اللدنية ج3،ص220)

مضمون نگار کو اصول حدیث میں معمولی سا بھی درک ہوتا تو وہ جان لیتے کہ لفظ قِيلَ یعنی ''کہا گیا ہے'' کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ علم الحدیث میں سند دیکھی جاتی ہے۔ اگر سند متصل اور صحیح ہو تو وہ حدیث مقبول ہوتی ہے۔

سیرت ابن هشام ج1 ص187 (مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر) میں ابن ہشام نے رسول اللہ ﷺ کی خدیجہ ؓ سے شادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ خدیجہ ؓ کی عمر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حاشیے میں منقول ہے: خدیجہ ؓ کی عمر چالیس سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پینتالیس سال تھی۔

لہٰذا بریگیڈیئر صاحب کے دونوں حوالے درست نہیں۔ انہوں نے خود ہی لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک شادی کے وقت خدیجہ ؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک جو بات صحیح اور درست ہوگی تو پھر قِيلَ والوں کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

ام رومانؓ

عائشہ صدیقہ ؓ کی والدہ ماجدہ کی عظمت وفضیلت میں کسی کو کوئی کلام نہیں لیکن جہاں تک ان کی وفات کا تعلق ہے۔ تو اس میں بہت اختلاف ہے۔ جیسے زرقانی نے المواهب ج3 ص229 میں لکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ان کے فوت ہونے میں لمبا جھگڑا ہے اور یہ اس کے بیان کرنے کی جگہ نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی 852ھ نے فتح الباری ج8 ص521-522 میں اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی المتوفی 923ھ نے ارشاد الساری ج7 ص295 میں لکھا ہے کہ آیت تخییر ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۲۸-۲۹) ''اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کا ارادہ رکھتی ہو تو اللہ نے تم میں سے اچھا عمل کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہنے یا الگ ہو جانے کا اختیار والی آیت 9 ہجری میں نازل ہوئیں اور آپ نے اس کی ابتدا حضرت عائشہ ؓ سے فرمائی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ تجھ پر میں ایک معاملہ پیش کرنے لگا ہوں۔ اس میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین ابوبکرؓ اور ام رومان سے مشورہ کر لینا۔ نام کے بغیر اَبَوَيْكِ تمام معروف تفاسیر میں منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ قسطلانی کا کہنا ہے۔ اس روایت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ 9 ہجری میں ام رومان زندہ تھیں۔ جن کا گمان ہے کہ ان کی وفات چھ ہجری میں ہوئی اس میں ان کا رد ہوتا ہے۔ تهذيب التهذيب ج12 ص468 میں ابونعیم اصبہانی کا قول ہے: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی 310ھ نے سورۃ الاحزاب کی آیت تخییر (پ۲۱،ص۱۵۸) کی شرح میں ناموں والی روایت نقل کی ہے۔ امام احمد بن حنبل المتوفی 241ھ کی مسند ج6 ص212 میں بھی منقول ہے۔

الاستيعاب اور رحمة للعالمين کا حوالہ دیتے ہوئے بریگیڈیئر صاحب نے علمی امانت و دیانت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ صاحب رحمة للعالمين نے الاستيعاب کا حوالہ

نقل کرنے کے بعد حاشیے میں یہ بھی ذکر کر دیا کہ صحیح بخاری میں مسروق تابعی نے ایک حدیث ام رومان سے روایت کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ام رومان کی وفات بعد از وفات نبی ﷺ ہوئی۔

جبکہ بریگیڈیئر صاحب کی تحریر کے الفاظ ہیں: تاہم امام بخاری نے مسروق تابعی کی روایت سے ایک حدیث ام رومان سے منسوب کی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ام رومان کی وفات بعد از وفات نبی ﷺ ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی غلطیاں لغزش بشری ہیں اور ان میں کسی بد نیتی کا عمل دخل نہیں بلکہ تحقیق کی خامی ہے۔

بصورت دیگر ایسی روایات کے راوی ثقل سماعت اور ضعف ذکاوت کا شکار ہو چکے تھے۔

اس عبارت میں پہلے صاحب رحمۃ للعالمین کے جملے میں ردو بدل کیا۔ پھر امام بخاری جیسی عظیم شخصیت کے غلطی کے مرتکب ہونے اور ان کی تحقیق میں خامی ہونے کا نہ صرف برملا اعلان کر دیا بلکہ احادیث و روایات کی راویوں پر ثقل سماعت اور ضعف ذکاوت کا شکار ہونے کا الزام بھی لگا دیا۔

سوچنے اور سمجھنے والی بات یہ ہے کہ بریگیڈیئر صاحب تو اس زمانے میں موجود نہ تھے جب احادیث کو جمع و مدون کیا گیا۔ نہ ان کی ان راویوں سے ملاقات ہوئی تھی کہ جن کو انہوں نے بہرے پن اور کم عقلی کا طعنہ دے دیا۔ کیا کوئی اپنے دین کی اس طرح حفاظت کرتا ہے۔ یہ دین کی حفاظت نہیں بلکہ بیرونی قوتوں کی معاونت ہے یا اپنے ہی لوگوں میں فتنہ وفساد برپا کرنے کی شرارت ہے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے مسروق کی جس روایت کا حوالہ حاشیہ میں دیا۔ امام بخاریؒ نے اس کو صحیح بخاری کی کتاب المغازی اور کتاب الانبیاء میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والے بہتان کے سلسلے میں ام رومانؓ سے نقل کیا ہے اور اسی روایت کا

امام بخاریؒ سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ نے ام رومانؓ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بلند پایہ محدث وفقیہ اور مؤرخ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تقریباً 150 کتابیں لکھیں۔ جن میں سے فتح الباری 300 دینار میں فروخت ہوتی تھی۔ 20 سال مصر کے قاضی القضاۃ رہے۔ انہوں نے قرآنی آیت کے حوالے سے ثابت کیا کہ ام رومان 9 ہجری میں باحیات تھیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں 6 ہجری میں وفات پانے والی روایت درست نہیں۔

بنیادی حقائق

شق نمبر1: میں حضرت خدیجہؓ کی عمر کے حوالے سے بریگیڈیئر صاحب کا اشکال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں 25 سال رہیں اور چھ بچے ان سے پیدا ہوئے۔ عام روایات کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر 65 سال تھی۔ جبکہ انکی چھوٹی بچی فاطمہؓ صرف چودہ پندرہ برس کی تھیں۔ گویا فاطمہؓ کی پیدائش کے وقت پچاس سال تھی۔ جو کہ سن یاس Climacteric ہے۔ لہٰذا سیدہ خدیجہؓ کی عمر نبی ﷺ سے شادی کے وقت 28 یا 30 سال اور وفات کے وقت 53/51 سال تھی۔

اشکال کا جواب: بانجھ پن میں اولاد کا ملنا

بریگیڈیئر صاحب نے چونکہ خود ہی تحریر کیا ہے کہ جمہور کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ لہٰذا جمہور کے حوالے نقل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جہاں تک سن یاس کا تعلق ہے کہ پچاس سال کی عمر میں عورت بانجھ ہو جاتی ہے تو

اس کے لیے وہ قرآن حکیم میں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کا قرآنی بیان پڑھ لیتے تو وہ شیطانی وسوسے کا شکار نہ ہوتے۔

سورۃ ھود میں جب ان کو فرشتے اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دیتے ہیں تو وہ کہتی ہیں۔

﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ(۷۲) قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ(۷۳)﴾

"ہائے افسوس! کیا میں بچہ جنوں گی۔ جبکہ میں بوڑھی ہوگئی اور یہ میرے خاوند بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب چیز ہوگی۔ فرشتے کہتے ہیں: اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں کیا اللہ کے حکم میں تمہیں تعجب ہے۔ بے شک وہ بڑا ہی تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔"

اسی بات کا دوبارہ ذکر سورۃ الذاریات میں بھی ہوا ہے۔

سورۃ مریم کے آغاز میں زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ انہوں نے بڑھاپے میں اولاد کے حصول کے لیے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے جب ان کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دے دی تو انہوں نے عرض کیا:

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا(۸)﴾

"اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہوگئی اور میں انتہائی بڑھاپے میں پہنچ گیا ہوں۔"

﴿قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ

تَكُ شَيْئًا(۹)﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسے ہی ہوگا۔ تیرے رب کا فرمان ہے۔ ہمارے لیے ایسا کرنا بہت آسان ہے اور میں نے تمہیں پہلے پیدا کیا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔

معمر مائیں

بریگیڈیئر صاحب کو قرآنی حوالے شاید پسند نہ آئیں۔ لہٰذا ان کے لیے چند حوالے ترقی یافتہ ملکوں کے پیش خدمت ہیں:

1- بوکاریسٹ + رومانیہ، 17 جنوری 2005ء:

66 سالہ بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے والی پروفیسر ایڈری اینا دنیا کی معمر ترین بچہ جننے والی عورت بن گئی۔

(http://www.msnbc.msn.com/id/6835044/)

2- ریڈنگ کیلیفورنیا، 21 فروری 2006ء:

دنیا کی معمر ترین بچہ جننے والی عورتوں میں شامل ہونے والی ایک 62 سالہ دادی نے کامیابی سے ایک بچے کو جنم دیا۔

(http://www.msnbc.msn.com/id/11451753-us)

3- لنڈن: 18 مئی 2009ء ABC نیوز:

66 سالہ الزبتھ ایڈینی برطانیہ کی معمر ترین بچہ جننے والی عورت ہوگی۔

اسی خبر کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا۔ 2006ء میں سپین کی کارمیلا بوسادہ نے 67 سال کی عمر میں بچہ جنا تھا۔

انڈیا کی اومکاری پنوار نے 70 سال کی عمر میں اکٹھے دو بچوں کو جنم دیا تھا۔

(http://www.abcnews.go.com/Print?id=7612856)

4- صوفیہ: جمعرات 13 مئی 2010ء ڈان انٹرنیشنل:

بلغاریا کی ایک 62 سالہ عورت نے اکٹھے دو بچوں کو جنم دے کر ملک کی معمر ترین ماں بننے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

مذکورہ حوالوں سے عیاں ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُس کے معاملے میں کوئی دخیل نہیں ہوسکتا۔ انسان ہی کی کمزوری ہے کہ ایک غلط مفروضہ قائم کرتا ہے اور غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ جب سن یاس کا سہارا بے کار ہوگیا تو اس پر اٹھائی گئی بحث فضول ولغو ہوگئی۔

کم عمر مائیں

اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر اپنی قدرت رکھنے کا اعلان بار بار فرمایا۔ اس قدرت کاملہ کا ہی نمونہ ہے کہ جب اولاد دینے پر آئے تو نہ صرف بانجھ عورت کو عطا کردیتا ہے بلکہ چھوٹی عمر والیوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیتا ہے۔

1- اردو اخبار کا بمع تصویر تراشا ہے۔ ارجنٹائن کے دارالحکومت بیونس آئرز میں دس سالہ لڑکی ''مارتا'' نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا۔ (9 اکتوبر 1971ء)

2- روزنامہ جنگ 23 جنوری 1988ء لاہور (تصویر کے ساتھ) 9 سالہ ٹریسا کی تین شادیاں ہوچکی ہیں۔ دو بچوں کی پیدائش کے بعد گھر سے بھاگ گئی۔

جنگ فارن ڈیسک نے یہ خبر واشنگٹن کے حوالے سے شائع کی۔

3- ڈان، منگل 9 دسمبر 1997ء: 8 سالہ لڑکی ماں بن گئی۔ یہ واقعہ ملتان سے 130 کلو میٹر دور علی پور میں ہوا۔

4- 20 ستمبر 2007ء، روس میں کمترین عمر میں ماں بننے والی لڑکی کی عمر گیارہ سال تھی۔

(http://englishrussia.com/index php 2007/09/20 youngest russian mother)

5- لنڈن، یکم نومبر 2009ء- بلساریا میں سکول کی ایک گیارہ سالہ طالبہ نے اپنی شادی کے موقع پر بچے کو جنم دیا۔ نیوز آف دی ورلڈ کور ڈونرا کے مطابق وہ دلہن کے لباس میں ہسپتال آئی، بچہ جننے کے بعد ایک رات اپنے بچے کے ساتھ گزارنے کے بعد اپنی شادی والا لباس پہن کر شادی کی تقریب کے لیے واپس پہنچ گئی۔ جبکہ 13 سال میں ماں بننے کا وہاں عام رواج ہے۔

(http://economictimes.india times.com/world youngest-mother)

6- 3 فروری 2010ء چائنا میں نوسالہ ماں بننے والی دنیا کی کم ترین عمر والی لڑکی ہوگی۔

(http://www.allvoises.com/contributer-news/5160160)

7- تاریخ انسانی کا عجوبہ: 14 مئی 1939ء مدرز ڈے کے روز پانچ سال آٹھ ماہ عمر کی لڑکی نے 2700 گرام وزن کے بچہ کو جنم دیا۔ بچہ اور ماں دونوں صحیح سلامت ہسپتال سے چلے گئے۔ کمپیوٹر میں ڈاکٹر، ماں اور بچہ کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ ماں کا نام لینا میدینا تھا اور واقعہ پیرو میں وقوع پذیر ہوا۔

(http://www.youngest mother.tripod.com)

مذکورہ حوالوں سے عیاں ہوجاتا ہے کہ اللہ جب چاہے عورت کو ماں بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی خوب فرمایا: عقل والو! عبرت حاصل کرو۔

جب ثابت ہوگیا کہ سن یاس کوئی ایسی بندش نہیں جس کو توڑنا اللہ کے نزدیک ناممکن ہے تو بریگیڈیئر صاحب کے ''کہا گیا'' کے حوالے سے خدیجہؓ، فاطمہؓ، علیؓ اور رسول اللہ ﷺ کی عمروں کے بارے میں بیان کردہ مفروضوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

شق نمبر2: میں بریگیڈیئر صاحب نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے:
السابقون الاولون میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بیسواں ہے۔ جس سے سیدہ عائشہؓ کی کم سے کم عمر چھ سات سال تصور کی جاسکتی ہے۔ گویا ان کی پیدائش قبل از نبوت ہی ہو چکی تھی۔ عسقلانی اور زرقانی بھی سیدہ عائشہؓ کو السابقون الاولون (ایمان لانے میں سبقت لے جانے والوں) میں شمار کرتے ہیں۔

لاعلمی یا بددیانتی

جس تحقیق کی بنیاد مفروضوں اور تصورات پر ہو گی وہ حق و سچ کو پانے میں کیسے کامیاب ہو گی۔ کوئی لاکھ کہے کہ دن کا اجالا سورج کے بغیر ہوتا ہے یا رات کا اندھیرا روشن سورج کی موجودگی میں ہوتا ہے تو جہلاء ہی اس کی تصدیق کریں گے۔ کوئی عقلمند اس کے تصوراتی دلائل کو قبول نہیں کرے گا۔

بریگیڈیئر صاحب نے قسطلانی اور زرقانی کا حوالہ بغیر دیکھے پڑھے دے دیا۔ وہ عربی زبان جانتے تو کبھی یہ حوالہ نہ دیتے۔ کیونکہ یہ طریقہ ان کی تصوراتی تحقیق کے خلاف ہے۔

المواهب اللدنية ج1 ص 246 میں ابن اسحاق کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے قسطلانی کا کہنا ہے کہ وہ واہم ہے اور زرقانی نے لفظ وہم کا معنی غلط کیا ہے۔ قسطلانی کی وضاحت ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا تو بعد میں پیدا ہوئیں۔ فَكَيْفَ اَسْلَمَتْ وَ كَانَ مَوْلُدِهَا سَنَةَ اَرْبَع ''وہ کیسے اسلام قبول کر سکتی تھیں جبکہ ان کی پیدائش چار سن نبوت میں ہوئی۔'' ایسا ہی مغلطائی وغیرہ نے کہا۔ زرقانی کا بیان ہے: اسی کی تائید العیون اور الاصابة میں کی گئی ہے۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے وہ پانچ سن نبوت میں پیدا ہوئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابة ج8 ص139 کے الفاظ ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار یا پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور الصحیح میں ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں کیا یعنی چھ پورے کر کے ساتویں سال میں داخل ہو چکی تھیں اور ان سے خلوت اس وقت کی جب وہ نو سال کی تھیں۔

علامہ علی بن برهان الدين الحلبی التوفی 1044ھ نے انساب العیون ج1 ص445 میں لکھا ہے۔ عورتوں میں سے سب سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا، زوجہ عباسؓ ام الفضلؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور ام جمیل فاطمہؓ بنت الخطاب اخت عمر بن الخطاب ایمان لائیں۔ علامہ الحلبی نے عائشہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے بھی اسی کو اپنایا ہے۔ لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور زرقانی نے جو کہا وہی درست ہے۔

شق نمبر3: خولہ کے حوالے سے مضمون نگار نے خدیجہؓ کی وضاحت کے بعد سودہؓ اور عائشہؓ کے رشتوں کے سلسلے میں مروی روایت کو نقل کیا ہے کہ جب ابوبکرؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا تو حضرت ابوبکر دو وجوہات کی بنا پر متردد تھے۔ ان کے خیال کے مطابق قرابت داری کے لحاظ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی بھتیجی تھیں اور ثانیاً ان کی نسبت مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر سے طے پا چکی تھی اور صرف رخصتی باقی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کر دی کہ دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے عائشہؓ کی رخصت کے متعلق استفسار کیا۔ مطعم کی بیوی نے جواب دیا: چونکہ عائشہ مسلمان ہو چکی ہے۔ لہٰذا ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے بیٹے کو ''لادین'' نہ بنا دے۔ مطعم نے بھی بیوی کی رائے پر صاد کیا تو یہ نسبت ٹوٹ گئی اور نبی ﷺ سے نسبت طے پا گئی۔ بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے۔ اگر سیدہ عائشہؓ کی پیدائش سے متعلق پانچ سال بعد نبوت کی مبینہ روایت درست مان لی جائے تو اس وقت سیدہ

عائشہ کی عمر پانچ سال تھی۔

کیا حضرت ابوبکرؓ اپنی پانچ سالہ بیٹی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے۔ واضح رہے یہ واقعہ سن دس نبوت کا ہے۔

مضحکہ خیز سوال

بریگیڈیئر صاحب کی نقل کردہ روایت میں ہرگز یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ مطعم بن عدی سے اپنی بیٹی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے یا بیٹی کو رخصت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بات صرف نسبت کے بارے میں تھی۔ آیا مطعم اور اس کی بیوی اس کو قائم رکھنا چاہتے ہیں یا توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب مطعم کے بیٹے سے نسبت ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ سے عائشہ کا چھ سال کی عمر میں نکاح ہو گیا۔

جس انسان کے پاس عربی زبان کی سوجھ بوجھ نہ ہو اور دینی علوم کے حصول کے بجائے دنیاوی علم حاصل کر کے فوج میں اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ گزار چکا ہو۔ اس کے باوجود وہ اپنی تصوراتی تحقیق پر نازاں ہو تو اس کے ذہن میں ضرور ایسے سوال ابھر سکتے ہیں۔ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ احادیث کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والوں کی عموماً سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ آج طاغوتی طاقتوں کو ایسے ہی بزرگوں کی ضرورت ہے۔

شق نمبر 4: بریگیڈیئر صاحب نے دوسرا سوال یہ اٹھایا۔ کیا نکاح ثانی سے رسول اللہ ﷺ اپنی دلجوئی اور رفاقت چاہتے تھے یا وہ اس روایت کی رو سے سیدہ فاطمہؓ سے دس سال چھوٹی بچی سے نکاح کر کے اپنی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کرنا چاہتے تھے۔

استہزاء کی انتہا

یہ سوال کسی غیر مسلم کا نہیں بلکہ ایک ایسے معزز شخص کی طرف سے ہے جو اپنے آپ

کو مسلمان سمجھتا اور کہتا ہے اور اس نے یہ مضمون اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں لکھا ہے۔ یہ سوال تمام ان حضرات سے پوچھا گیا ہے جو قرآن وسنت پر ایمان رکھتے اور ائمہ حدیث کی دل و جان سے عزت کرتے ہیں۔ یہ سوال ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کے قلم سے پاکستان میں رقم ہوا ہے۔ جب ہندوستان میں آریہ سماج کی طرف سے رنگیلا رسول کے عنوان سے ہیجان انگیز کتاب 1924ء میں شائع ہوئی تھی تو اس میں ایسے ہی بیہودہ اعتراضات کیے گئے تھے۔ اس کا بہترین جواب علم الدین غازی نے دیا تھا۔ اگرچہ اس کا خوبصورت علمی جواب لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق مولانا ثناء اللہ امرتسری کو عطا فرمائی۔ انہوں نے اس جوابی کتاب کا نام مقدس رسول ﷺ رکھا تھا۔ اس وقت کے مشہور و معروف علماء کرام نے مولانا ثناء اللہؒ کی تحریری تائید کی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں: 1- مولانا شبیر احمد عثمانی، 2- مولانا سراج احمد، 3- مولانا حبیب الرحمٰن (از دیوبند)، 4- مولانا مرتضیٰ حسن، 5- مولانا اعزاز علی، 6- حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی، 8- مولانا عبدالباری لکھنوی، 8- مولانا حافظ ابراہیم سیالکوٹی، 9- مولانا محمد مبارک حسین از میرٹھ، 10- مولانا محمد ابوالقاسم سیف محمد بنارسی، 11- مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، 12- مولانا محمد کفایت اللہ جمعیت العلماء دہلی، 13- مولانا عبدالشکور، 14- مولانا حافظ احمد سعید دہلی، 15- مولانا عبدالحلیم صدیقی، 16- مولانا عبدالقیوم حیدرآباد اور 17- مولانا محمد عثمان سکندر آباد، اللہ تعالیٰ سب پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

روزنامہ زمیندار لاہور، روزنامہ سیاست لاہور، سلطان الاخبار بمبئی، مسلم راجپوت امرتسر، عالمگیر امرتسر، وطن لاہور، المسلم بنگلور اور حامی آریہ دھرم پرکاش نے بھی تعریفی کالم لکھے۔

جہاں تک ہمارے جواب کا تعلق وہ بڑا سیدھا سا ہے کہ یہ عائشہ کے باپ کی مرضی

سے طے پانے والا نکاح تھا جو مردوں میں سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کرنے، اسلام اور اہل اسلام کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے اور آپ کے درمیان جو دینی تعلق تھا اس کو مزید مضبوط کرنے کا یہ ایک سبب اور ذریعہ تھا۔ باہمی رضامندی سے جو رشتہ طے پایا اس پر آج کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اعتراض کرنے والوں کو غیروں کی بجائے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

شق نمبر 5: میں بریگیڈیئر نے لکھا ہے۔ جزیرۃ العرب میں کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کا رواج ہرگز نہ تھا۔ شادی کی اوسط عمر 15 سال سے 25 سال تھی۔ خود نبی ﷺ کی بیٹیاں فاطمۃؓ الزہرا 21 سال کی عمر میں اور ام کلثومؓ 18 سال کی عمر میں بیاہی گئیں۔ بی بی زینب بنت جحش کی شادی زیدؓ بن حارثہ سے 34 سال کی عمر میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد دوم صفحہ 47)

دھوکا و مغالطہ

جزیرۃ العرب میں کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کا رواج نہ تھا۔ اس کا علم بریگیڈیئر کو کیسے ہوا۔ کیا وہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ بغیر دلیل کے یہ دعویٰ ہرگز مناسب نہ تھا اور پر سے انہوں نے تہذیب التہذیب کا جو حوالہ دیا ہے وہ سراسر دھوکا اور جھوٹ ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی 12 جلدوں پر محیط اسماء الرجال کی کتاب ہے۔ جس مین حروف تہجی کے اعتبار سے ناموں کا ذکر ہوا ہے۔ ام کلثومؓ کا ذکر اس میں موجود نہیں۔ زینبؓ بنت جحش کا ذکر ہوا لیکن عمر کے بارے میں کوئی روایت مذکور نہیں۔ فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ منقول ہے۔ جبکہ بریگیڈیئر صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے 21 سال بیان کی ہے۔ تیسری جلد میں

زید بن حارثہ کا ترجمہ تو موجود ہے لیکن زینبؓ بنت جحش کی عمر کا ذکر نہیں ہوا۔

بریگیڈیئر صاحب نے اپنے دعویٰ پر جو دلیل قائم کی وہ جھوٹی نکلی۔ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ احادیث پر اعتراض کرنے والے کے ہاں غلط بیانی اور حوالے میں ہیر پھیر معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

کم سنی میں شادی کا حوالہ

جامع الترمذی کتاب النکاح ج 2 ص 165 میں عائشہؓ کا قول ہے۔ جب لڑکی نو سال کی ہو جائے تو وہ پوری عورت ہوتی ہے۔

طبقات ابن سعد ج 8 ص 463 میں مروی ہے۔ عمر فاروقؓ نے ام کلثومؓ بنت علیؓ سے جب شادی کی تو وہ ایک نابالغہ لڑکی تھیں۔ طبقات کی دوسری روایت کے مطابق عمر فاروقؓ نے چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا۔ طبقات کی تیسری روایت ہے علیؓ اور فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثومؓ کے لیے عمر فاروقؓ نے شادی کا پیغام دیا۔ تو علیؓ نے کہا: وہ چھوٹی عمر کی لڑکی ہے۔ یعنی صَبِیة ہے۔ جبکہ الاستیعاب ج 2 ص 772 عدد الاسماء 43 میں صغیرہ کا لفظ منقول ہے۔ دونوں کتابوں کی روایت کے مطابق علیؓ نے اپنی بیٹی کو ایک چادر دے کر کہا: امیر المومنین کے پاس جاؤ اور کہو میرے باپ نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور ان کا کہنا ہے۔ اگر آپ کو یہ چادر پسند آ جائے تو اس کو روک لیں۔ اگر پسند نہ آئے تو اس کو واپس کر دیں۔ طبقات کے الفاظ ہیں جب ام کلثومؓ عمر فاروقؓ کے پاس آئیں اور پیغام دیا تو انہوں نے کہا۔ اللہ کی برکتیں ہوں تم پر اور تمہارے باپ پر۔ ہم راضی ہو گئے۔ ام کلثومؓ نے واپس آ کر باپ کو بتایا۔ انہوں نے چادر کو نہ پھیلایا نہ دیکھا بلکہ مجھے دیکھا۔ علیؓ نے ام کلثوم کی شادی عمرؓ سے کر دی اور ام کلثوم نے امیر المومنین کے

لیے ایک بیٹے کو جنم دیا جس کو زید کہا جاتا تھا۔

الاستیعاب کے الفاظ ہیں: علیؓ کا پیغام تھا، میں اس کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اگر آپ کو پسند آجائے تو میں نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ بیٹی نے باپ کا پیغام جب عمر فاروقؓ کو پہنچایا تو انہوں نے ام کلثومؓ سے کہا۔ اپنے باپ سے کہنا: میں راضی ہو گیا یعنی مجھے لڑکی پسند آ گئی اور انہوں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ رکھا۔ ام کلثومؓ نے کہا: آپ ایسا کر رہے ہیں اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی۔ واپس آ کر باپ سے کہا۔ آپ نے بُرے شیخ کے پاس مجھے بھیجا۔ علیؓ نے بیٹی سے کہا: پیاری بیٹی! وہ تمہارے شوہر ہیں۔

اگر عربوں میں کم سنی کی شادی کا رواج نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ سے اور عمر فاروقؓ ام کلثومؓ سے شادی کبھی نہ کرتے۔ ابو بکر الصدیقؓ اور علیؓ جیسی عظیم شخصیتیں اس پر آمادہ نہ ہوتیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بریگیڈیئر صاحب سے وہ یقیناً زیادہ سمجھدار تھے اور بریگیڈیئر صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ کسی کی اردو تحقیق کو نقل کر کے اپنا نام چسپاں کر دینا علمی حلقوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

شق نمبر 6: میں بریگیڈیئر صاحب نے لکھا ہے: چونکہ ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں قتیلہ بنت عبدالعزی سے شادی کی تھی، جن کے بطن سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے اور قبل از اسلام کے زمانے میں ہی ام رومان بنت عامر سے شادی کی۔ جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اور سیدہ عائشہ کی ولادت ہوئی۔ گویا سیدہ عائشہؓ قبل از نبوت پیدا ہو چکی تھیں۔ (ابو بکر کی ازواج: تاریخ طبری) لہٰذا پانچ سال بعد بی بی عائشہ کی پیدائش کی روایت قطعاً غیر معتبر ہے۔

محقق کی کم فہمی

بریگیڈیئر صاحب نے کسی استاد سے تھوڑی سی عربی پڑھ لی ہوتی تو جو کچھ انہوں نے شق چھ میں فرمایا ہے۔ وہ کبھی نہ فرماتے۔ تاریخ طبری عربی ج 2 ص 50 میں "ابو بکر الصدیقؓ کی بیویوں کے ذکر" کے تحت ابو بکرؓ کی چار بیویوں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کا ذکر ہے۔ جس میں سے قتیلہؓ اور ام رومانؓ سے زمانہ جاہلیت میں شادی ہوئی اور اسماءؓ بنت عمیس اور حبیبہؓ سے زمانہ اسلام میں انہوں نے نکاح کئے۔ پہلی دو کے بارے میں عربی عبارت ہے:

فکل هولاء الاربعة من اولاده ولدوا من زوجتيه اللتين سميناهما فی الجاهلية. پس یہ چاروں بچے ان دو بیویوں سے پیدا ہوئے جن کے نام زمانہ جاہلیت کے حوالے سے ہم نے لئے ہیں۔ اس عبارت میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ چاروں زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے۔ یہاں دو ان بیویوں کی بات ہوئی ہے جن سے ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں شادی کی تھی۔

اصل میں جس کتاب سے بریگیڈیئر صاحب نے عبارت نقل کی ہے۔ اس کے مصنف نے تو واضح طور پر لکھ دیا کہ چاروں بچے زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بالا دونوں خواتین سے تولد ہوئے تھے۔ بریگیڈیئر صاحب نے تو "گویا" کا لفظ استعمال کر کے نتیجہ نکالا ہے۔ لیکن اس مصنف نے بغیر کسی تکلف کے لکھ دیا۔ سیدہ عائشہؓ صدیقہ طلوع اسلام سے پہلے پیدا ہوئیں۔ ادارہ طلوع اسلام سے تعلق رکھنے والوں کا ایسا ہی طریق کار رہا ہے۔

شق 6 کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور زرقانی کے حوالے سے عائشہؓ کے زمانہ اسلام میں پیدا ہونے کی وضاحت و صراحت کا ذکر ہو چکا ہے۔ عربی

کتابوں کے حوالے سے تحقیق عربی زبان جانے بغیر ممکن نہیں ہے اور تصوراتی تحقیق کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

شق 11 میں بریگیڈیئر صاحب نے خود لکھا ہے: حضرت عبداللہ بن زبیر ہجرت کے پہلے سال مدینہ میں پیدا ہوئے تو مہاجرین اور انصار نے مشترکہ طور پر پہلی خوشی منائی، ان کے ہاں دوسرے بیٹے عروۃ کی پیدائش تقریباً بیس برس بعد ہوئی۔

جب عبداللہ بن زبیر اور عروۃ بن زبیر کے درمیان بیس سال کا فرق ہوسکتا ہے تو عبدالرحمٰن اور عائشہ کے درمیان ایسا فرق کیوں نہیں ہوسکتا۔ غیر ضروری حوالے کے دینے کی بجائے کیوں نہ ایک ہی حوالہ کسی معتبر حدیث یا تاریخ کا دے دیا جاتا جس سے حق ثابت ہوجاتا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے وقت 9 سال نہیں بلکہ زیادہ تھی۔

زیادہ گفتگو یا طویل تحریر سے جھوٹ سچ نہیں بن جاتا۔

شق نمبر 7 کا جواب بھی وہی ہے جو شق 2 کے جواب میں عرض کر دیا گیا ہے یعنی عائشہ کی پیدائش چار و پانچ سال نبوت میں ہوئی لہٰذا تصوراتی حساب درست نہیں۔

شق نمبر 8 میں بریگیڈیئر صاحب کا دعویٰ ہے کہ بعض روایتوں کے مطابق سیدہ عائشہ نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی فرمائی جبکہ پندرہ سال سے کم عمر کسی فرد کو حضور نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی لہٰذا ان کی عمر پندرہ سال سے زائد تھی۔ حضرت عمر نے بدری صحابہ کے لیے خصوصی وظیفہ مقرر کیا تو سیدہ کو بھی دیگر اصحاب سے زائد وظیفہ ملتا رہا۔

مزید کم علمی

اس مذکورہ عبارت میں بھی تحقیق کا کوئی پہلو نہیں بلکہ ایک اردو کتاب کی عبارت ہے۔ اگر بریگیڈیئر صاحب نے تحقیق کی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کہ جنگ بدر میں نہیں

بلکہ جنگ احد میں ام سُلیم کے ساتھ مل کر انہوں نے زخمیوں کو پانی پلانے میں حصہ لیا تھا۔ (بخاری: کتاب الجہاد: غزوۃ النساء ص 403)

جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے نام سیرت ابن ھشام میں منقول ہیں۔ اس میں کوئی بھی عورت شریک نہ تھی کیونکہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کا ایک پروگرام تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کی صورت دیتے ہوئے اہل اسلام کو زبردست کامیابی سے نوازا تھا۔

رحمۃ للعالمین ج 1، ''باب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمات میدان جنگ میں'' میں بھی بریگیڈیئر صاحب کو یہی بات ملے گی کہ عائشہ نے پانی پلانے کی خدمت جنگ احد میں انجام دی تھی اور ان کو ملنے والا وظیفہ بدری ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ام المومنین ہونے کی حیثیت میں ملتا تھا جیسا کہ دیگر امہات المومنین کے لیے مقرر تھا۔

شق نمبر 9 اور 10: بریگیڈیئر حامد سعید اختر صاحب نے شق نمبر 2 والی بات کا پھر ذکر کردیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام السابقون الاولون میں منقول ہے۔ سیرت ابن ہشام میں صغیرہ کے ساتھ جو عائشہ کا نام مذکور ہے اس کا رد حافظ ابن حجر قسطلانی اور زرقانی نے کردیا تھا اور امام سہیلی کی الروض الانف میں ان کا ذکر ہی مفقود ہے۔ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ ایسے محققین کے نزدیک حوالے میں ہیرا پھیری معیوب نہیں ہوتی اور ایسا ہی اس مضمونِ گمراہ کن میں ہوا ہے۔

شق نمبر 11 اور 12 میں بریگیڈیئر صاحب نے ولی الدین خطیب تبریزی کی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال کے حوالے سے لکھا ہے۔ اسماء بنت ابی بکر اپنی علاتی بہن عائشہ سے بڑی تھیں۔ انہوں نے ایک سو سال عمر پائی اور 73 ہجری میں فوت ہوئیں۔ ان کی

شادی حضرت زبیر سے 26 سال کی عمر میں ہوئی اور 27 سال کی عمر میں ان کے ہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ جس پر مہاجرین اور انصار نے مشترکہ خوشی منائی۔ اس سے بریگیڈیئر صاحب نے نتیجہ نکالا ہے۔ چونکہ ہجرت کے وقت اسماء بنت ابی بکر کی عمر 27 سال تھی، لہٰذا عائشہ کی عمر 17 سال ہجرت کے وقت اور شادی کے وقت 19 سال طے پاتی ہے۔

ادھوری تحقیق

بریگیڈیئر صاحب کی تحقیق کا دائرہ صرف اردو اور انگریزی کی چند کتابوں تک محدود ہے انہوں نے اپنی اس تحقیق میں نہ صرف خود ٹھوکر کھائی ہے بلکہ جو لوگ ان کی اس تحقیق کی وجہ سے گمراہ ہوں گے ان کا وبال بھی انہی پر ہوگا۔

سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۷)﴾

”وہی ہے جس نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں دوسری متشابہات ہیں، پس جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے وہ فتنہ و تاویل کی تلاش میں ان آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہات ہوتی ہیں حالانکہ تاویل صرف اللہ جانتا ہے اور جو علم میں راسخ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ عقل والے ہی

نصیحت حاصل کرتے ہیں۔“

کیسی عجیب بات ہے کہ جو کچھ تمام احادیث اور تاریخ و رجال کی کتابوں میں بغیر کسی اختلاف کے ثابت و مسلمہ ہے اس کا رد کرنے میں بریگیڈیئر صاحب جیسے لوگ پھر متحرک ہو گئے ہیں۔ خطیب تبریزی کی الاکمال کا ایک حوالہ دیا مگر دوسرا انہیں دیکھا۔

عائشہ ؓ کے بارے میں منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے ان سے ہجرت سے تین سال پہلے دس سن نبوت میں نکاح کیا اور ہجرت کے دوسرے سال میں ان سے خلوت کی جبکہ ان کی عمر نو سال تھی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

اسماء بنت ابی بکر کے خاوند حضرت زبیرؓ بن عوام کے بارے میں روایت ہے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کی عمر 12 سال، دوسری روایت کے مطابق 15 سال اور تیسری کے مطابق 16 سال اور چوتھی کے مطابق 18 سال تھی۔ خطیب کی الاکمال میں آٹھ سال مروی ہے۔

الاصابۃ ج 2 ص 5 سے 8 سال اور 12 سال مروی ہے۔

طبقات ابن سعد ج 3 ص 102 میں 16 سال بیان ہوئی ہے۔

الاستیعاب ج 1 ص 201 میں 15 سال اور 12 سال منقول ہے۔

کسی کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی شادی اسماء بنت ابی بکر سے کس عمر میں ہوئی۔ ایسے ہی رجال کی تمام کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ نشاندہی نہیں کی گئی کہ اسماء ؓ کی شادی ان کی 26 سال کی عمر میں ہوئی مگر بریگیڈیئر صاحب نے فوجی حکم کے تحت کرادی۔

اسماء بنت ابی بکر کی عمر 27 سال کا حوالہ اگرچہ بریگیڈیئر صاحب نے نہیں دیا لیکن وہ ابن الاثیر کی اسد الغابۃ ج 7 ص 9 کا ہے جبکہ ابن الاثیر نے اسی جلد کے ص 189

میں لکھا ہے۔ نکاح کے وقت عائشہؓ کی عمر 6/7 سال اور خلوت کے وقت 9 سال تھی۔

ابن الاثیر نے اپنی تاریخ الکامل ج 2 ص 209-210 میں بھی ایسے ہی نقل کیا ہے۔ لہٰذا طاغوت کو خوش اور راضی کرنے کے لیے اپنے اسلاف کو جھٹلانا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہوگا۔

شق نمبر 13: بریگیڈیئر صاحب نے صحیح بخاری کتاب التفسیر کے حوالے سے عائشہ ؓ سے نقل کیا ہے کہ جب سورۃ القمر کی یہ آیت ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۴۰)﴾ ''بلکہ قیامت کا ان سے وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت و تلخ ہوگی'' مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت میں ایک کھیلتی پھرتی لڑکی تھی۔

ان کا کہنا ہے: سورۃ القمر 4/5 سن نبوت میں نازل ہوئی۔ اگر سیدہ عائشہ ؓ کی عمر اتنی تھی کہ انہیں سورۃ القمر کی ایک آیت یاد ہوگئی تو ان کی پیدائش نبوت کے پانچ سال میں کیسے درست قرار پاسکتی ہے۔ جبکہ ہشام بن عروۃ متعدد روایات سے یہی غلط نتیجہ اخذ کرتا دکھائی دیتا ہے۔

غلط استدلال

احادیث کو تسلیم نہ کرنے والوں کی اصل کمزوری یہ ہے کہ بات تو صحابہ ؓ اور ان کے زمانے کی کرتے ہیں لیکن قیاس اپنے آپ اور اپنے حالات سے کرتے ہیں۔ سیدھی سی بات کو غلط مفروضوں کے ذریعے الجھا دیتے ہیں یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

صحیح بخاری: 'کتاب فضائل القرآن': 'باب تالیف القرآن' میں عائشہ ؓ سے قرآنی سورتوں اور آیات کی ترتیب و تالیف کے بارے میں جب سوال ہوا تو اس کی انہوں نے نہ صرف وضاحت کی بلکہ سورۃ القمر کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ جب وہ

نازل ہوئی تو اس وقت میں کھیلا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ سوال ان سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا اور اس وقت وہ ایک انتہائی معلومات رکھنے والی معلّمہ کی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ صحابہؓ وصحابیاتؓ دینی مسائل میں ان سے راہنمائی لینے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ امام قسطلانی نے ارشاد الساری ج 6 ص 141 میں 'باب فضل عائشہؓ' میں لکھا ہے۔ وہ ہجرت سے تقریباً آٹھ سال پہلے زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئیں اور جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی۔

انہوں نے آپ سے بہت کچھ حفظ کیا یہاں تک کہا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ انہی سے منقول ہے۔

عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقہ وعلم اور بہترین رائے والی تھیں۔ ایسا ہی ملتا جلتا قول علامہ عینی کی عمدۃ القاری ج 16 ص 250 میں منقول ہے۔

رہی بات چار پانچ سال کی بچی کے قرآنی آیات میں سے ایک آیت کو یاد کر لینا تو اس میں بھی حیرت و پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ آج بھی کسی دین دار گھرانے کے بچوں سے نماز اور دعائیں سنیں تو وہ سنا دیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ بڑے لوگوں کے بچوں کی بجائے ان کے بڑوں کو دعائے قنوت یا دعائے جنازہ سنانے کو کہیں تو وہ بھی نہیں سنا سکیں گے۔ الا ماشاء اللہ

جہاں تک واقعہ شق القمر کا تعلق ہے تو امام بخاری نے تو یہی لکھا ہے کہ یہ نبی ﷺ کے اس زمانے میں ہوا جب آپ ہجرت سے پہلے مکہ میں تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج 3 ص 118 میں واقعہ معراج کے بعد کہا ہے شاید اسی سے اخذ کرتے

ہوئے رحمة للعالمین کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی تیسری جلد میں اس عظیم معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا ہے۔ یہ واقعہ شق القمر سنہ 9 نبوت کا ہے۔

لہٰذا عائشہ ؓ کی عمر کے بارے میں محدثین ومؤرخین نے جو فیصلہ دیا ہے وہی درست ہے۔

شق نمبر14 میں شاید بریگیڈیئر صاحب نے 15 اور 16 کو بھی شامل کرلیا ہے کیونکہ اگلی شق کا نمبر 17 ہے۔ اس میں پہلا اشکال یہ ہے کہ تابعین کے دور میں عائشہ ؓ کی عمر کے بارے میں کوئی روایت منظر عام پر نہ آئی۔ ہشام بن عروۃ کا شاگرد علی بن مسہر اپنے استاد کے حوالے سے متعدد روایات 185ھ میں منظر عام پر لے آیا۔

دوسرا اشکال: عائشہ ؓ کا اپنے بھانجے عروۃ سے اپنی خانگی اور قطعی ذاتی زندگی کے واقعات بیان کرنا لغو اور ناقابل قبول ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ عائشہ کے بارے میں روایات بیان کرنے والا صرف ایک راوی ہشام بن عروہ تھا۔ اس کے عراق پہنچتے ہی گیارہ راوی پیدا ہوگئے۔ عجوبہ بھی یہ ہے کہ یہ روایت صحاح ستہ میں جگہ پاکر پوری امت میں پھیل گئی۔

چوتھا اشکال: ہشام بن عُروہ اول اول بہت معتبر راوی سمجھا جاتا تھا۔ 71 برس مدینہ میں رہا۔ وہاں اس نے اپنی کوئی متنازعہ حدیث بیان نہ کی۔ امام مالک بھی اس سے حدیث کا درس لیتے تھے۔ پھر قرض خواہوں سے بھاگ کر کوفہ چلا گیا جہاں اس نے 146ھ میں 86 سال کی عمر میں وفات پائی۔

خطیب بغدادی نے امام مالک کے حوالے سے لکھا ہے۔ ہشام بن عروہ ایک دروغ گو انسان تھا۔ اہل مدینہ بھی اس سے مروی احادیث میں اغلاط کی نشاندہی کرنے لگے تھے۔ بریگیڈیئر صاحب نے یہ وضاحت بھی کردی۔ عائشہ ؓ کے متعلق متعدد احادیث

کا براہ راست راوی ہشام بن عروہ نہیں بلکہ علی بن مسہر ہے۔ جس نے 39 سال بعد اپنے استاد کے حوالے سے یہ احادیث روایت کی ہیں لیکن اس کے علاوہ کسی ایک محدث نے ان احادیث کی تصدیق نہیں کی۔ ہشام بن عروۃ کا اپنا قول ہے جب تم میں سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیث بیان کرے تو نوسو نوے کو زمین پر دے مارو، باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔ مذکورہ احادیث کا ماخذ ہی عراق ہے لہٰذا یہ کیسے معتبر ہوسکتی ہیں۔

شق 18 میں کھل کر حضرت ہشام بن عروۃ پر کیچڑ اچھالا گیا ہے اور زبردست بہتان بازی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ امام الذہبی کی طرف وہ کچھ منسوب کردیا گیا ہے جو انہوں نے ہرگز نہیں کہا اور نہ لکھا ہے۔

فضول الزامات

شق چودہ اور سترہ اگرچہ الزامات وتضادات کا مجموعہ ہیں مگر ان کا لبِّ لباب یہ ہے کہ عائشہ ؓ کی کم سنی میں شادی والی روایات کو عام کرنے والا ہشام بن عروۃ کا شاگرد علی بن مسہر تھا۔ حالانکہ 185ھ سے پہلے ان کا ذکر تابعین کے زمانے میں نہیں ملتا۔ نہ کسی محدث نے اس سے مروی احادیث کی تصدیق کی ہے۔

چونکہ بریگیڈیئر صاحب کی تحقیق کا ماخذ ظفر علی قریشی کی کتاب امہات المومنین اور مستشرقین ہے لہٰذا انہوں نے زیادہ تر وہی نقل کردیا ہے جو اس میں منقول ہے۔

علی بن مُسہر کو عراقی کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تهذيب التهذيب ج 7 ص 383-384 میں لکھا ہے۔ وہ الحافظ موصل کے قاضی تھے۔ انہوں نے نامور محدثین کو سنا۔ ابوزرعۃ نے ان کو صدوق ثقہ کہا۔ العجلی کا بیان ہے وہ ان میں سے تھے جنہوں نے حدیث وفقہ کو جمع کیا۔ نسائی نے بھی ان کو

ثقہ کہا۔ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا۔ان کی وفات 189ھ میں ہوئی۔

صحیح بخاری: 'کتاب النکاح' میں ہشام سے تین ایسی روایات بھی مروی ہیں جن میں علی بن مسہر راوی کا نام نہیں ہے۔ایسے ہی صحیح مسلم: کتاب النکاح میں چار روایات میں بھی علی بن مسہر موجود نہیں۔ ابن ماجہ: 'کتاب النکاح' کی ایک روایت میں علی بن مسہر کا نام ہے لیکن دوسری روایت میں اس کا ذکر ہی نہیں۔ترمذی اور نسائی کی روایت میں بھی علی بن مسہر کی بجائے اور راوی ہیں۔

طبقات ابن سعد ج8 میں عائشہ کی شادی کے بارے میں ہشام سے پانچ روایات میں بھی علی بن مسہر کا نام نہیں ہے۔

بریگیڈیئر صاحب اور ان کے استاد کا کہنا کہ کسی اور محدث نے اس کی تصدیق نہیں کی، اگر عربی زبان سے ان کو واقفیت ہوتی تو وہ دیکھ لیتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے اور بھی محدث ہیں۔ سنن النسائی ج2 حدیث رقم 3260 ابوعبیدہ المتوفی 83ھ اور الاسود المتوفی 73ھ نے الگ الگ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم سنی والی روایت نقل کی ہے۔دو محدث تو امام نسائی نے مہیا کر دیے۔

طبقات ابن سعد ج8: ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا ص85 میں مذکورہ راویوں کے علاوہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ المتوفی 103ھ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہی روایت کرتی ہیں جو دوسروں نے کیں۔ص61 میں امام الزھری سے مروی ہے رسول اللہ کا نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھ سال کی عمر میں اور خلوت نو سال کی عمر میں ہوئی۔ جب آپ فوت ہوئے تو ان کی عمر 18 سال تھی۔امام الزھری نے 124ھ میں وفات پائی۔

بریگیڈیئر صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ کم سنی میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی والی حدیث صحاح ستہ میں جگہ پا کر پوری امت میں پھیل گئی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہر

شک وشبہ سے بالا ہے اور اس میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

محدثین کے علاوہ مؤرخین نے بھی اپنی تواریخ میں اس کو نقل کیا ہے۔اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کو آرمی سے ریٹائر ہونے والے ایک بریگیڈیئر کی عقل تامہ جیسی عقل عطا کی گئی تھی۔جنہوں نے دین کی سربلندی اور حقانیت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور دور دراز کے سفر کیے۔ان پر ایک بے علم اعتراض کرنے کی جرأت اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کر رہا ہے۔اس سے بڑا اسلام پر حملہ اور کیا ہو سکتا ہے۔غیروں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر ایک مسلمہ متفق علیہ مسئلہ کو خراب کرنے کے درپے ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!!

ہشام بن عروہ اپنے وقت کے امام تھے۔خطیب بغدادی کے حوالے سے ان کو واضح طور پر دروغ گو کہہ دیا گیا۔معلوم نہیں کہ بریگیڈیئر صاحب نے موطا امام مالک دیکھی ہے یا نہیں اگر ایسے لوگ مؤطا کو دیکھیں تو ان کو پچاس سے اوپر ایسی روایات ملیں گی۔جن کو امام مالک نے ہشام بن عروہ سے نقل کیا ہے۔اگر امام مالک ان کو دروغ گو سمجھتے تو کبھی اپنی مؤطا میں ان کی کسی روایت کو جگہ نہ دیتے۔

جو خود دروغ گو ہوتا ہے دوسروں پر الزام لگانے میں وہ بہت دلیر ہوتا ہے۔پہلے ہی عرض کر دیا گیا تھا کہ احادیث پر اعتراض کرنے والے حوالوں میں ہیرا پھیری کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے۔احادیث اور اس کے راویوں کے بارے میں نامناسب زبان بھی بڑی دلیری سے استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک خانگی اور ذاتی زندگی کے بارے میں حقائق سے آگاہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ بالکل جائز اور احسن ہے۔جب اللہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا تو انسانوں کو شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔بڑی دادی اماں اپنے بچوں کو بتائے کہ میری شادی چھوٹی

عمر میں ہوئی تھی تو اس میں قباحت کا کون سا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب مقصد ہی اعتراض کرنے کا ہو تو پھر ہر پہلو میں نقص دکھائی دیتا ہے۔

امام الذھبی کی میزان الاعتدال کے حوالے جو لکھ دیا گیا وہ سراسر جھوٹ اور امام الذھبی پر بہتان ہے۔ ھشام کے ترجمہ 9233 میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

شق نمبر 19: میں بریگیڈیئر صاحب نے عائشہؓ کی گڑیوں اور جھولے کے حوالے سے اپنی 14/13 سالہ پوتیوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ اب بھی گڑیوں سے کھیلتی ہیں اور شاید مزید چند سال بھی کھیلتی رہیں گی۔

بڑے لوگوں کی غلط سوچ

ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ اپنی پوتیوں کے بارے میں تو سوچتے ہیں اور ان کے گڑیوں سے کھیلنے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن ان بچیوں کا ان کو کوئی خیال نہیں ہوتا جو غربت میں جنم لیتی اور غربت میں زندگی کے دن گزار کر مٹی میں دفن ہو جاتی ہیں۔ 5/7 سال کی عمر میں امیروں کی خدمت کرنا ان کا مقدر ہوتا ہے اور کسی امیر کا گھر نہ ملے تو اپنے والدین کے ساتھ محنت مزدوری کرتے بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

بات گڑیوں اور جھولے کی نہیں بلکہ عائشہؓ کی عمر کی تھی جو شادی کے وقت وہی تھی جس پر تمام محدثین و مؤرخین کا اجماع ہے۔ غیروں کو خوش کرنے کی کوشش کرنے والوں کے تصورات و مفروضوں سے اس میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔

شق نمبر 19: میں بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے۔ عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ امام ابوحنیفہؒ، ابن اسحاقؒ اور امام مالکؒ نے نقل نہیں کیا۔ جو ہشام کے زمانے کے قریب ترین تھے۔ لہٰذا ہشام والی روایت درست نہیں۔ امام بخاری کو اگر تدوین و تحقیق کا مزید موقع ملتا تو وہ

غیر معتبر روایات کو مسترد کر دیتے۔ حادثۃً متناقض اور متضاد روایات صحیح بخاری میں جگہ پا گئیں اور ان کے شاگردوں نے بغیر ترمیم و اصلاح شامل کر لیں۔ اسی لیے قاری کو ابواب و عنوانات میں خاصی بے ربطی محسوس ہوتی ہے اور موضوع کی مناسبت سے متوقع عنوان کے ذیل کی بجائے بہت سی احادیث بالکل غیر متعلقہ عنوانات کے تحت کہیں اور مرقوم پائی جاتی ہیں۔ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جو روایت اور عقل سلیم کے خلاف ہیں کیونکہ امام بخاری کی بے وقت وفات سے مزید تحقیق اور تصدیق کا عمل نامکمل رہ گیا۔

امام مالک ہشام کے اہم ترین شاگرد تھے۔ انہوں نے عائشہ کی رخصتی والی روایت نہیں اپنائی کیونکہ اس وقت تک یہ روایت وضع نہیں ہوئی تھی۔ ابن عروہ کی روایات متصل نہیں بلکہ منقطع ہیں اور اصول حدیث کی رو سے مدلس یعنی Fabricated ہیں۔

محقق کی تحقیق کی حقیقت

محقق نے اپنی تحقیق کا ماخذ تین کتابوں کو بنایا۔ یعنی ان کے نزدیک سارا دین صرف ان تین ہی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کو اتنا بھی علم نہیں کہ کسی خبر کے مذکور نہ ہونے سے وہ معدوم نہیں ہو جاتی۔ امام ابوحنیفہؒ کی وہ کونسی کتاب ہے کہ جس میں انہوں نے دوسرے محدثین کی طرح احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے قرآن کی کوئی تفسیر نہیں لکھی تو کیا قرآن کا انکار کر دیا جائے گا۔

امام مالکؒ نے اگر عائشہ کے نکاح اور رخصتی والی روایت نہیں اپنائی تو کیا باقی تمام احادیث و تاریخ کی کتابوں کا رد کر دیا جائے گا۔ امام مالکؒ نے نہ صرف عائشہ کی شادی کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ تمام ازواج مطہرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی شادیوں کا بھی ذکر نہیں کیا تو کیا ان کی شادیوں کا انکار کر دیا جائے گا۔

جہاں تک ابن اسحاق کا تعلق ہے تو جناب محقق نے سیرت ابن ہشام پوری پڑھی نہیں بلکہ حوالے سے حوالہ نقل کر دیا ہے۔ مصطفیٰ البابی الحلبی مصری کی مطبوعہ سیرت ابن ہشام ج 2 ص 643-644، ''ذکر ازواجہ صلی اللہ علیہ وسلم: امہات المومنین'' میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ان سے نکاح کیا جب ان کی عمر سات سال تھی اور مدینہ میں خلوت کی تو ان کی عمر نو سال تھی۔

چونکہ محقق صاحب کا مشن احادیث کا رد و انکار کرنا ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ فن حدیث کیا ہے۔ یہ ایسا فن ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ محقق صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام بخاریؒ نے دن رات محنت کر کے اور ہر حدیث و عنوان کے لیے اللہ سے استخارہ کر کے سولہ سال میں اپنی صحیح مکمل کر کے اس وقت کے بڑے بڑے اماموں کو دکھا کر زندگی ہی میں ان کی تائید حاصل کر لی تھی۔

دینی مدارس سے فارغ ہونے والوں کو حدیث کی سب سے آخری کتاب صحیح بخاری ہی پڑھائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے ترجمۃ الباب اور روایت میں تعلق پیدا کرنا ہی علمی فن ہے۔ جو اساتذہ کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور جہلاء وہی کہتے ہیں جو محترم بریگیڈیئر صاحب نے کہا ہے۔ کشف الظنون کے مطابق صحیح بخاری کی 80 سے زیادہ شرحیں لکھی جا چکی ہیں جن میں فتح الباری کو فوقیت حاصل ہے۔

محقق صاحب کو یہ علم بھی نہیں کہ مدلس کو Fabricated نہیں کہتے بلکہ انگریزی کا یہ لفظ من گھڑت روایت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور مدلّس اس راوی کو کہا جاتا ہے جو اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر روایت بیان کرتا ہے۔

ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح بخاری کو قرآن حکیم کے بعد سب سے صحیح کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ کا راویوں کو پرکھنے کا معیار بہت بلند تھا۔ وہ

راویوں کے ہمعصر ہونے کو وہ کافی نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ جب تک دونوں کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو جاتی وہ ان کی روایت نہیں لیتے تھے۔ اسی کو متصل کہا جاتا ہے۔

رہی بات عقل سلیم کی تو ہر فن کے لیے اس کا ایک معیار ہوتا ہے۔ جیسے ایک فوجی فوج میں زندگی گزارنے کے بعد فوجی عقل سلیم حاصل کرتا ہے ویسے ہی علمی میدان میں دن رات محنت کرنی پڑتی ہے اور جتنا بڑا عالم و محقق ہو گا وہ ایسے محسوس کرے گا کہ ابھی اس نے کچھ نہیں پڑھا۔ کیونکہ علمی سمندر کی گہرائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جبکہ فوجی عقل سلیم والے نے صدیوں سے جمع ہونے والے علمی سرمایہ کی بلا تکلف نفی کر دی۔ کسی محدث کے پاس بیٹھ کر حدیث کا علم حاصل کیا ہوتا تو صحیح بخاری کا ہر عنوان اور اس کے تحت مروی حدیث کا آپس میں تعلق سمجھنے میں ان کو کوئی دشواری پیش نہ آتی اور ہر حدیث ان کی عقل سلیم کے عین مطابق ان کو نظر آ جاتی ہے۔

شق نمبر 20: میں بریگیڈیئر صاحب نے بلا دلیل و حوالہ لکھا ہے۔ ہشام بن عروۃ 131ھ تک قیام مدینہ میں عراقی احادیث کو ناقابل اعتبار ٹھہراتا تھا۔ لیکن عراق میں پہنچتے ہی اس کو عائشہ ؓ کی عمر کے بارے میں نو راوی کوفہ سے اور چار بصرہ سے مل گئے۔ جنہوں نے ہشام کی مدنی شہرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے نسیان کی وجہ سے عائشہؓ والی حدیث اس سے منسوب کر کے پھیلا دی۔ یوں اختلاف و انتشار کی بنیاد رکھ دی۔

بہتان بازی کی انتہا

احادیث اور ان کے راویوں کے بارے میں مذکورہ عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اختلاف و انتشار پیدا کرنے والا شخص اس حدیث کے راویوں پر اختلاف و انتشار کا الزام لگا رہا ہے جو حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جس میں

اختلاف کی کوئی آمیزش نہیں مگر محقق نے اس کے من گھڑت ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔

بریگیڈیئر صاحب کو معلوم نہیں کہ کوفہ اور بصرہ کی بنیاد رکھنے والے حضرت عمر فاروقؓ تھے اور تین سو سے اوپر جلیل القدر صحابہؓ نے وہاں سکونت اختیار کی اور ان صحابہؓ سے بیان کرنے والوں کے نام طبقات ابن سعد کی چھٹی اور ساتویں جلد میں دیکھے جا سکتے ہیں جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ جن کے حالات زندگی ائمہ حدیث نے کتابوں میں محفوظ کر دیے ہیں۔ آج ثقہ راویوں اور ضعیف راویوں کے بارے میں پوری معلومات فن حدیث کی کتابوں میں مہیا کر دی گئی ہیں۔

جس حدیث کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی ہے وہ تاریخ کی حسب ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے (ا) البدایۃ والنہایۃ ج8 ص9 (۲) تاریخ خمیس ج1 ص266 (۳) تاریخ الکامل ج2 ص 209-210 (۴) تاریخ الطبری ج2: باب السنۃ العاشرۃ: ذکر الخبر عن ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ بریگیڈیئر صاحب کے نزدیک تاریخی حوالہ زیادہ معتبر ہوتا ہے۔

بریگیڈیئر صاحب کی خواہش ہے کہ غیروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی تمام ان کتابوں میں تبدیلی کر دی جائے کہ جن میں عائشہؓ کی کم سنی میں شادی کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر غیروں کی اطاعت کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ بیرون ملک تو ایسے فتنوں کی سرپرستی کی جاتی ہے اب یہ سلسلہ پاکستان میں بھی شروع ہو گیا ہے لیکن اللہ اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے۔ وہی اس کا بندوبست کرے گا۔

بریگیڈیئر صاحب تو عائشہؓ کی عمر کی تصحیح کے بارے میں کوشاں ہیں جبکہ کینیڈا سے چھپنے والی کتاب The Quranic Concept of Nikah میں اختر شیرازی نے عائشہؓ، ابوھریرہؓ اور خدیجہؓ کا بالکل ہی انکار کر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے: رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی صرف دو بیویاں تھیں۔ اس نے تمام احادیث کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی تدوین عباسی خلفاء کے زمانے میں ہوئی۔ ٹیڑھی تحقیق کا یہ تصور انگریزوں نے دیا اور ہندوستان میں اس کو مقبول بنانے میں بڑی کوششیں کی گئیں لیکن علماء اسلام نے اس کا بھرپور جواب دیا۔ پاکستان بننے کے بعد جب پھر اس فتنہ نے سر اٹھایا تو اس کا سدباب بھی ہوتا رہا ہے۔ اب بیرون ملک سے اس کو بڑے منظم طریقے سے پاکستان پہنچانے کی کوشش کا آغاز ہو چکا ہے۔ علماء اسلام کا فرض ہے کہ جس طرح بیرون ملک سے شائع ہونے والے خاکوں کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں ویسے ہی اس بے دینی یلغار کو ناکام بنانے کے لیے بھی میدان میں آ جائیں۔ تاکہ دینی اختلاف و انتشار سے قوم محفوظ ہو جائے۔

<u>شق نمبر</u> 21: میں بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث اصل میں اثر ہے اور اس کو فعلی حدیث بنانے کے لیے نو سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے صنفی مقاربت والی حدیث گھڑ لی گئی۔ تاکہ وہ فعلی حدیث ثابت ہو جائے اور حدیث کے احترام میں عرب کی گرم آب و ہوا کو جواز بنایا کہ اس میں لڑکیاں جلد جوان ہو جاتی ہیں۔ پھر انہوں نے یہ اشکال پیدا کیا کہ عرب یا جیکب آباد میں آج اس عمر میں لڑکیاں بلوغت کو کیوں نہیں پہنچتیں۔ آخر میں انہوں نے ایک بار پھر امام مالک کے حوالے سے الزام لگایا کہ ہشام بن عروۃ کاذب تھا۔

اصل مقصد حدیث کا انکار ہے

بریگیڈیئر صاحب نے اپنے طویل مضمون کو ختم کرتے ہوئے نہ صرف صحاح ستہ بلکہ ان تمام احادیث اور تاریخ میں مروی متفق علیہ حدیث کو من گھڑت کہہ دیا۔ چونکہ فن

حدیث کے تو وہ خلاف ہیں۔ ان کو کیا معلوم کہ حدیث وسنت اور خبر واثر کو بیان کرنے والے راوی جب ثقہ ہوں گے تو وہ عین حجت ہوگی۔ بات راوی کی عدالت وصداقت کی ہوتی ہے جو خبر واثر یا حدیث وسنت کو قابل قبول بناتی ہے۔ ان کو معلوم نہیں محدث کو اثری بھی کہا جاتا ہے۔

جہاں تک عرب یا غیر عرب میں عورت کی بلوغت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مختلف ممالک کی کم سن ماؤں کے حوالے پہلے ہی پیش کر دیے گئے۔ یورپ، امریکہ وغیرہ ملکوں کے سکولوں کے کم سن بچوں کے بارے میں تو ان کو بخوبی معلوم ہوگا کہ ان میں کم سنی میں ہی جنسی تعلق کا آغاز ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک کم سن اور معمر عورت سے شادی کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں آپ کے بارے میں فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا(۲۱)﴾ ''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔'' آپ نے امت کے لیے نمونہ قائم کر دیا کہ حالات و واقعات اور ضرورت کے تحت ایسا ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ایسا کیا جائے۔ اللہ حق کو سمجھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

❋❋❋

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

مصنف کی دیگر تصنیفات

۱- تفسیر فضل القرآن ......(8 جلدیں)

۲- اسلام میں عورت کی سربراہی کا کوئی تصور نہیں

۳- سیرت مولانا ثناء اللہ امرتسری

۴- جنازے کے مسائل

۵- انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت

۶- رجب کے کونڈے

۷- آخری چہار شنبہ

۸- پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

۹- کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی اصل

۱۰- رجم کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا علمی جائزہ

۱۱- امام ابن تیمیہؒ عظیم مصلح

۱۲- معاشرے کو مثالی بنانے والے دس احکام

۱۳- عیسائیوں کے دلائل واعتراضات اوران کے جوابات

۱۴- زنا کی شرعی سزا

۱۵- قادیانی لاہوری مرزائی دائرہ اسلام سے خارج کیوں ہے

۱۶- سفر مدینہ کی صحیح نیت